سالگرہ نمبر

اُٹھو! وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا (ہمایوں)

بیادگار علامۂ فصیح آنریبل جسٹس میاں محمد شاہدین صاحب ہمایوں مرحوم

اُردو کا علمی و ادبی ماہوار رسالہ

ہمایوں

ایڈیٹر۔ بشیر احمد بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا

جائنٹ ایڈیٹر۔ حامد علی خاں بی۔ اے

جنوری ۱۹۲۷ء

قیمت فی پرچہ

تصاویر

وفا۔ یہ فرانس کے مشہور مصور گرز کی ایک مایۂ ناز تصویر ہے اس قسم کی تصویروں میں چونکہ اسکے پیش نظر ہمیشہ اسکی اپنی بی بی بن ہوتی تھی اس لئے ان میں ایک قسم کی یکسانی پیدا ہوگئی تھی بعض لوگ اس بات کو گرز کے نقائص میں شمار کرتے ہیں۔ وفا کی تصویر کے چہرہ سے جذبات نمایاں کرنے میں گرز حیرت انگیز طور پر کامیاب ہوا ہے۔

آبجو۔ یہ دلفریب تصویر اُس ندی کی ہے جو کشمیر میں کوہلائی کے برفانی پہاڑ سے نکل کر تنگ وادیوں میں بہتی ہوئی پہل گام کے پاس سے گذرتی ہے۔ اس کے پانی کا شور اس کی لہروں کا زور قابلِ دید ہے۔

آدم وحوا کا مغربی تصور۔ یہ تصویر برنرڈ شا کے ڈرامے (Back to Methuselah) کا افتتاحی منظر ہے یہ ڈراما برمنگھم (انگلستان) میں ہُوا تھا۔ ڈرامے کی ابتدا آدم کے زمانے سے ہوتی ہے اور اسکے بعد مستقبل بعید پر نظر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلا قدم۔ یہ تصویر دراصل ایک مجسمہ ہے جو مس بریکارڈ کی سنگتراشی کا ایک حیرت انگیز اور دلچسپ نمونہ ہے۔

پیکانِ محبت۔ یہ تصویر پیرس کے عظیم الشان عجائب خانے لُوور سے حاصل کی گئی ہے اس کا مصور بوشیر ہے۔ جس کو کیوپڈ (عشق کے دیوتا) کی تصویریں بنانے سے خاص دلچسپی تھی اس تصویر کا اصل عنوان "ہدف" (Le But.) ہے اور اسکا موضوع غالباً کیوپڈ اور سائکی کی شادی ہے جسکے لئے بہت سے چھوٹے چھوٹے کیوپڈ آرائش وغیرہ کی تیاری میں معروف ہیں سہرے دولہا اور دلہن کو پہنانیکے لئے ہیں فاختہ یونانی علم الاصنام میں بھولے پن کی علامت ہے جس سے سائکی کا بھولا پن ظاہر کرنا مقصود ہے۔ سائکی نے اسی بھولے پن کی وجہ سے بہنوں کی باتوں میں آکر رات کو شمع روشن کرکے کیوپڈ کو دیکھنا چاہا تھا اور وہ اس پر ناراض ہوکر چلا گیا تھا۔ کیوپڈ اور سائکی کا قصہ مشہور ہے۔

حمد

یارب تری حمد ہے زباں پر
حیرت دِل میں نظر جہاں پر

خالق ارض و سما کا تُو ہے
مالک ہر دو سرا کا تُو ہے

جان و تن کا وجود تجھ سے
یعنی غیب و شہود تجھ سے

ہر سنگ میں تو شرار میں تو
ہر برگ میں تو ہے بار میں تو

ہر گل میں عیاں ہے شان تیری
ہر خار میں آن بان تیری

ہر کام کی اِبتدا تو ہی ہے
ہر بات کی انتہا تو ہی ہے

ہر رنگ میں تُو ہے بُو میں تُو ہے
بہتے ہوئے آبِ جُو میں تُو ہے

چڑیاں جو سحر کو بولتی ہیں
رازِ توحید کھولتی ہیں

سُورج ادنیٰ ظہور تیرا
ذرّے ذرّے میں نور تیرا

پرتو ترا موجِ برقِ مضطر
سایۂ ترا ابرِ تیرہ و تر

کیا خاک ہے اور باد کیا ہے
کیا آتش و آب میں دھرا ہے

کیا راز ہے قوتِ کشش میں
سیّارے ہیں کیوں دوا دوش میں

مستُور ہے سب میں ذات تیری
تُجھ سے ہے کائنات تیری

قدرت تیری دیکھ کر ہوں خاموش
حیرت سے ہُوا ہوں خود فراموش

جگر بریلوی

وفا

اے محبوب، اے رازِ سراپا، اے یکسر اسرار! جس کی محبت سے ہے میری روحِ وفا سرشار
جس کی تمنا سے ہے قائم میرے دل کا قرار جسکے خیال میں سرگرداں ہے میری جانِ زار

اے محبوب، اے رازِ سراپا، اے یکسرِ اسرار!

دھویا تیری محبت نے سب میرے دل کا زنگ اب ہوسِ دنیا باقی ہے نہ خواہشِ نام و ننگ
اور کسی سے مجھ کو محبت ہے نہ عداوت ہے صلح ہے تیرے خیال سے میری تیرے خیال سے جنگ

اے محبوب، اے رازِ سراپا، اے یکسر اسرار!

تو ہے نور سراپا اور ہوں میں اک مشتِ خاک تیری محبت دریا ہے، ہوسِ دنیا خاشاک
تو ہے پاک اور تیرے شوق میں میری نگاہ بھی پاک پھر کیوں تجھکو سمجھنے سے عاجز ہے مرا ادراک؟

اے محبوب، اے رازِ سراپا، اے یکسر اسرار!

دہر میں تیرا جلوہ پنہاں، ماہ میں تیرا رنگ پھر بھی اُن میں پایا میں نے تیرا رنگ نہ ڈھنگ
تیری حقیقت بے پایاں ہے تیری حقیقت کو کیا دیکھیگی کیا سمجھیگی میری نگاہِ تنگ!

اے محبوب، اے رازِ سراپا، اے یکسر اسرار!

فصلِ بہار میں، ہوتی ہے جب روحِ چمن بیدار — فصلِ بہار میں کرتی ہے جب بُلبل گُل سے پیار

فصلِ بہار میں، چھن جاتا ہے جب ہر دل سے قرار — میرا دل بھی تیرے خیال سے ہوتا ہے سرشار

اے محبوب، اے رازِ سراپا، اے یکسر اسرار!

آہ تمنا! میری تمنا! مجھ سے فریب ہُوا — مجھ کو میری محبت نے سو بار دیا دھوکا

تجھ کو نہ دیکھا تھا لیکن دیکھا، تجھ کو دیکھا — تجھ کو نہ پایا تھا لیکن پایا، تجھ کو پایا

اے محبوب، اے رازِ سراپا، اے یکسر اسرار!

تیری صدا ہو کاش مجھے پیغامِ برقِ فنا! — تیری نگاہ پڑے مجھ پر بن کر پیکانِ قضا!

تیرے ستم میں حلاوت ہے، تیرا یہ سحر ہے کیا؟ — تجھ پر رُوح نثار مری! شیریں ہے تیری جفا

اے محبوب، اے رازِ سراپا، اے یکسر اسرار!

صبحِ ازل سے رُوح مری ہے اب تک سرگرداں — شامِ ابد تک یونہی رہونگی تیرے لئے حیراں

گو نہ ملے تو، پھر بھی رکھیگی قائم میری وفا — تیرا میرا، ازل سے ابد تک، رشتۂ جسم و جاں

اے محبوب، اے رازِ سراپا، اے یکسر اسرار!

حامد علی خاں

بزمِ ہمایوں

آج ہمایوں کی عمر پانچ سال ہوتی ہے جب میں پانچ سال کی اس مدت پر نگاہ دوڑاتا ہوں تو اگرچہ مجھے پختگی کے ساتھ خامیاں اور خوبیوں کے ساتھ نقائص بھی نظر آتے ہیں لیکن یہ دیکھ کر اک گونہ تسلی ہوتی ہے کہ ہمایوں نے ہمیشہ اور بالخصوص اِس گزشتہ سال میں آگے کی طرف قدم بڑھایا ہے۔

جب گزشتہ سال ہمایوں کے معیار کو بلند کرنیکی تجویز ہوئی تو مجھے بار بار یہی خیال آیا کہ معاونین کو کوئی ایسی اُمید نہ دلائی جائے جسے ہم پورا نہ کرسکیں اور کوئی ایسی خوبی پیدا نہ کی جائے جو محض عارضی ہو اور جسے ہم مستقل طور پر پیش نہ کرتے رہیں خدا کا شکر ہے کہ گزشتہ سال میں ہمایوں اک بلند تر سطحِ ادب پر آگیا ہے اسکی ایک بڑی وجہ جائنٹ ایڈیٹر کی توجہ اور قابلیت ہے۔

اشاعت میں وقت کی پابندی اب بھی بدستور قائم رہی رسالہ کا حجم بڑھایا گیا۔ بہ نسبت پہلے کے تصاویر میں اضافہ کیا گیا اور مضامین میں علمی، اخلاقی سودمندی کے ساتھ ادبی و معاشرتی دلچسپی کا بھی لحاظ رکھا گیا۔ ہر نمبر میں لطیف و سبق آموز افسانوں کے عنصر کی موجودگی ضروری سمجھی گئی علاوہ بریں زبان و بیان کی شستگی اور کتابت و طباعت کی درستگی کی طرف خاص طور پر توجہ کی گئی۔

ناظرین ہمایوں یہ سُن کر خوش ہونگے کہ گزشتہ سال میں ہمایوں کی اشاعت پہلے سے پچاس فیصدی کے حساب سے بڑھ گئی ہے معاونین ہمایوں سے فرداً فرداً استدعا کیجاتی ہے کہ وہ سالِ رواں میں اپنے اپنے عزیزوں دوستوں میں ہمایوں کی اشاعت کی کوشش کریں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم ہمایوں کو اور زیادہ بلند معیار پر لے آئیں۔

اہلِ قلم کی بیش بہا اعانت کا شکریہ واجب ہے۔ پروفیسر مرزا محمد سعید اور مولانا وحید الدین سلیم کے کارآمد ادبی و تنقیدی مضامین، میاں عبدالعزیز کی فلک پیمائیاں، سید سلطان حیدر جوش کی خیال آفرینیاں، خواجہ حسن نظامی کی حقیقت نمائیاں اور سید سجاد حیدر اور مولانا راشد الخیری کی افسانہ طرازیاں باعث زیب و زینت ہوئیں، میاں عطاالرحمٰن کی افسانہ نگاری بدستور سابق پھول کھلاتی رہی، جناب صادق اُیوبی کی مغربی گلچینی سے ہمارا دامن نکہت بار رہا۔ پروفیسر محمد یوسف کی فلسفہ بیانی نے معلومات میں اضافہ کیا۔ نسوانی مضمون نگاروں میں ح۔ ب صاحبہ۔ ز۔ ب صاحبہ۔ تہذیب فاطمہ صاحبہ اور بیگم خالد صاحبہ کی خیال آرائیوں نے ہمایوں کو چار چاند لگائے۔ شعرائے شیریں بیان حضرات اثر صہبائی، آزاد انصاری، راز چاند پوری، امینِ حزیں، سلیم اور افسر خا

وغیرہ نے اپنے کلامِ بلاغت نظام سے ہمارے حصۂ نظم کو پہلے سے بہت زیادہ دلکش بنا دیا +

نقاشی و مصوری میں "مصوری ہند" اور "ہندوستان کی پیکر نگاری" از مرزا محمد حامد صاحب اور "جدید فن مصوری" از عطاالرحمن صاحب مفید مضامین تھے۔ "شاعر اور آفتابِ بہار" میں اکبر منیر صاحب نے نیم مردہ طبائع کو اک امید افزا اور حیات بخش پیغام دیا۔ اور مولوی حمید احمد خاں کے مضامین "حریت اور اسلام" اور بالخصوص "اسوۂ حسنہ" فی الحقیقت معرکۃ الآرا اور غایت درجہ ایمان پرور تھے، ہمیں امید ہے کہ موصوف بزم ہمایوں کو اپنی جادو بیانی سے مسحور کرتے رہینگے +

سید امتیاز علی تاج کا مدت کے بعد ہماری محفل میں آنا ہمارے لئے باعثِ مسرت ہے، نئے سال میں ناظرین بعض نئے لکھنے والوں سے بھی روشناس ہونگے اور ہمیں امید ہے کہ ہمایوں پہلے سے زیادہ گوناگوں دلچسپیوں کا ایک مخزن بن جائیگا +

کچھ عرصے سے اگر ہمایوں نے ترقی کی ہے تو میدانِ ترقی میں وہ تنہا نہیں رہا۔ ہماری علمی ادبی زندگی نے ہماری قومی زندگی کے ساتھ ساتھ آگے کو قدم بڑھایا ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کب تک نہ ہوتا؟ ہم بھی جاگے ہیں اور ہمارے ادب میں بھی زندگی کا خون گردش کرنے لگا ہے، خدا کرے کہ صالح خون پیدا ہو معارف، اردو، نگار، علیگڈھ میگزین، سہیل، نیرنگِ خیال، شاب اردو کے علاوہ بیسیوں اور رسالے اپنے اپنے حلقہ میں قوم و زبان کی مفید خدمت کر رہے ہیں، پہلے سے ظاہری صورت زیادہ دلکش اور باطنی خوبیاں زیادہ نمایاں ہو رہی ہیں علاوہ تہذیب نسواں کے تبلیغ نسواں، عصمت، سہیلی، نور جہاں وغیرہ نسوانی رسائل خالص نسوانی حلقوں کی اصلاح و ترقی کا کام کر رہے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض خدامِ قوم و ادب اپنے زعم میں ترقی کرتے کرتے اسقدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ وہ اپنے پسماندہ "سست خرام" بھائیوں پر ذاتی حملے کرنا اپنا قومی حق اور اک قومی خدمت بھی سمجھتے ہیں، اصلاح طعن و تشنیع سے نہیں ہوتی، دوسروں کی اصلاح صرف خود اچھے کاموں میں مصروف رہنے سے ہو سکتی ہے اور اگر طعن و تشنیع ہی پسند ہے تو ابھی اُن قوموں کے طعنے سنو جو کبھی ہم سے پیچھے تھیں لیکن آج جنکے پاؤں تلے کی گرد ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے، قوم اگر تمہارے کام کی طرف متوجہ ہے تو تم کام کئے جاؤ۔ کیا کام کرنیوالوں سے نوک جھونک بھی اک ادبی مشغلہ ہے اک علمی معرکہ ہے جس سے قوم میدانِ ترقی میں دوسری قوموں کو پچھاڑیگی ؟

یہ باتیں فتنہ پردازیاں ہیں جن کی گرم بازاری کے باعث غیروں کی ترقیوں سے بے پروائی اور لاعلمی رہتی ہے، ہم اپنے ہی تنگ حلقوں میں مشغول رہتے ہیں ہم صرف اپنی اردگرد کی چیزوں میں مصروف رہتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ دنیا میں دور و نزدیک کیا کچھ ہو رہا ہے ؟

مانا کہ ہماری علمی زندگی میں ترقی ادب کی ضرورت ہے اسلئے اگر سرد مزاجی کے ساتھ تنقید کا حق ادا کیا جاسکے تو ایسا کرنا لازم ہے لیکن اس میں بھی شک و شبہ کی گنجایش نہیں کہ اخلاقی اصولوں پر عمل کئے بغیر ہم نہ علم میں نہ سیاست میں نہ معاشرت میں کچھ ترقی کر سکتے ہیں تنقید علمی ترقی کی جان ہے لیکن اسکو کیا کریں کہ ہم عموماً تنقید و تنقیص میں امتیاز نہیں کرتے اور ذاتیات کے عملیات میں گرفتار ہو جاتے ہیں خیر خدا کا شکر ہے تنقید ہے تنقیص ہے مگر ترقی تو ہے نااتفاقی ہے بے اعتدالی ہے لیکن کام کی مشغولی بھی ہے کچھ نہ کرنے نے ہمیں کچھ نہ کر سکنے والے بنا رکھا تھا اب کچھ نہ کچھ کرنے سے کچھ نہ کچھ ہو گیا ہے اور ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا !

ب-ل

جہاں نما

۱۹۲۶ء گذر گیا۔ ۱۹۲۷ء کو اُس نے کیا پیغام دیا؟ وہی جو ہر سال گذشتہ ہر سالِ رواں کو دیتا ہے کہ میں نے تین سو پینسٹھ دن اس آباد زمین کو گردش دی اور کئی کروڑ میل تک میں اسکے ساتھ گھوما کیا۔ اُبھرنے والوں کو میں نے اُبھارا گرتے ہوؤں کو میں نے گرایا کمال کو زوال اور زوال کو کمال کر دکھایا جس نے اپنا ساتھ نہ دیا میں نے بھی اُسکا ساتھ چھوڑا جس نے اپنی آپ مدد کی میں نے بھی اُسکی مدد سے دریغ نہ کیا۔ کوشش کا نتیجہ محنت کا پھل کام کا دام میں بنا۔ کاہلی کی سزا عشرت کا خمیازہ علم کا حاصل میں ہوا۔ سو میں اپنا کام کر چکا ہوں میری مہلت ختم ہوئی۔ اب تو اپنا کام کر کہ اب دُنیا میں تیرے نام کا سکہ جاری ہوگا۔ میں دُنیا کو جس حال میں چھوڑ کے جاتا ہوں وہ دیکھ لے۔

انسانیت بیدار ہو رہی ہے قومیں اُبھر رہی ہیں اور جو قومیں دبی ہی ہیں وہ بھی دب دب کر اُبھرتی نظر آتی ہیں۔ جب آزادی کا نام آزادی ہے تو اُسکے پاؤں میں دیر تک غلامی کی بیڑیاں نہ پڑی رہینگی، جب انسان کا نام انسان ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے حیوان نہ بنا رہیگا کوئی دن جاتا ہے کہ بندشیں آزاد ہو جائینگی اور انسان فرشتہ بن جائیگا!

انگلستان ۔ ہمارا "مجازی حاکم" اپنی حکمرانی میں مگن ہے۔ اُسکا تسلط ابھی دُنیا کے بہت سے سرسبز مقامات پر قائم ہے، کاہل قومیں ابھی اُسکی غلامی کا طوق زیب گلو کئے ہوئے ہیں، مجلسِ اقوام میں اُسکی آواز کا رعب ہے سمندروں پر اُسکے جہازوں کا دبدبہ ہے اور اُسکے روپے کی جھنکار بدستور دُور دُور تک سُنائی دیتی ہے "قدامت پسند" محنت و سرمایہ کی جنگ کو کنکھیوں سے دیکھتے ہیں اور سرمایہ داروں کی فتح پر جی ہی جی میں خوش ہوتے ہیں۔ انگلستان جدت پسند نہیں اُس کے مقبوضات اسقدر وسیع اور اُسکا زر و دولت اتنا کثیر ہے کہ اُسکے لئے صرف موجودہ حالت کو برقرار رکھنا ہی معراجِ ترقی ہے، اور اسی لئے وہ جدید خیالات سے فقط اس حد تک متاثر ہونا چاہتا ہے، جہانتک وہ اُسکی فلاح و بہبود کے ضامن ہوں۔

سو اگر کہا جائے کہ انگلستان کی حکمتِ عملی کو ایک لفظ میں بیان کر دو تو ہم بلا تامل کہینگے "برقراری"۔ یورپ میں انگلستان اپنے اقتدار کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اُسکا منشا ہے کہ کوئی مغربی حکومت "براعظم" پر اتنی قوت حاصل نہ کرلے کہ دوسری سب حکومتیں اس سے خائف رہیں بلکہ مختلف دُول میں توازنِ قوت قائم رہے۔ یورپ کی سیاسی ترازو کو خود انگلستان ثالث بالخیر بن کر تھامے رہے، جہاں کوئی دولت یا مجموعۂ دول زیادہ طاقتور ہوتا نظر آئے، انگلستان کمزور پلڑے میں اپنا پاؤں رکھ دے اور سب کو مساوات کا سبق پھر از بر پڑھا دے۔ ایشیا میں انگلستان برطانوی ہند پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا خواہاں ہے۔ اسی لئے افغانستان اور تبت سے دوستی ضروری ہے اور روس سے دُشمنی۔ جاپان بھی حلیف رہے تو بہتر ہے ترکی سے پُرانی

عداوت ہے لیکن اب قطع نظر اس سے کہ وہ زیادہ طاقتور اور اس لئے ارتباط کے زیادہ شایاں ہوگیا ہے وہ اک مسلمان حکومت ہے اور انگلستان بھی اپنے تئیں دنیا کی ایک مسلمان حکومت بلکہ سب سے بڑی مسلمان حکومت سمجھتا ہے +

دوآبۂ دجلہ وفرات اور فلسطین پر قبضہ ہے اس لئے اگر عرب کے عرب اور ترکی کے ترک اس قبضے کی تائید کریں تو عرب میں عربوں کی حکومت اور ترکی میں ترکوں کی حکومت انگریزوں کو بسر وچشم منظور ہے + ایران و افغانستان کی آزادی اُس صورت میں مسلّم ہے کہ روس بھی انکے خانگی معاملات میں دخل نہ دے نہ انکے گھر میں اختیار و اعتبار حاصل کرے + افریقہ میں انگلستان محکوم قوموں کی محکومی کو برقرار رکھنے کا تمنائی ہے اس لئے مراکش میں عبدالکریم کے خلاف وہ فرانس و ہسپانیہ کو فاتح دیکھنا چاہتا ہے اور طرابلس میں سنوسیوں کے مقابل میں اطالیہ کو ظفرمند ورنہ اگر ان دول یورپ کے بعض مقبوضات چھن جائیں تو برطانیہ کا کیا ہرج ہے بلکہ اُسے اِن کے اقتدار کی کمی سے شاید فائدہ ہی ہو لیکن اگر وہ انکے گھاٹے پر خوش ہو تو یہ کس طرح اسکے سیاہ وسفید پر صاد کریں اگر انکے عرب و بربر آزاد ہوجائیں تو اُسکے ہندی و حبشی کیونکر غلامی پر قانع رہیں + امریکہ میں بھی انگلستان قائم شدہ حدود میں اپنی بہبود سمجھے ہوئے ہے کہ اُسکے لئے وہاں کینیڈا کی سرزمین ازبس غنیمت ہے + غرض دنیا بھر میں انگلستان کا سیاسی نصب العین یہی ہے کہ نہ کسی کی مملکت زیادہ ہو نہ میری کم۔ کیوں نہ ہو ؎

جو قسمت سے سوا وہ بہت ہے ۔۔۔ اور بہت کیا کرنا ہے

امریکہ ۔ دُنیا کا سب سے بڑا جمہوری سرمایہ دار ہے + جنگ و جدل میں یورپ سے دو قدم پیچھے رہتا ہے لیکن تمدن و زراندوزی میں اُس سے چار قدم آگے + جو کچھ دوسرے جھپٹ چھین کر اکٹھا کرتے ہیں وہ لین دین سے سب سمیٹ لیتا ہے + اُسکے گھر میں عورت مرد برابر کے انسان ہیں اس کا نتیجہ صلح صفائی ہو یا لڑنا جھگڑنا۔ اس سے اُسے غرض نہیں + اُسکی درسگاہوں میں لڑکے لڑکیاں مل کر تعلیم پاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ کبھی کبھی شباب آرائی بھی ہو تو ہُوا کرے + اُسکی عیسائیت طلاق کو جائز شراب کو ممنوع اور تثلیث کو وحدانیت اور اخلاقیات میں تبدیل کررہی ہے + سنتے ہیں کہ جس قدر ہم یورپ سے پیچھے ہیں اُسی قدر یورپ بعض باتوں میں امریکہ سے پیچھے ہے +

فرانس ۔ کی جمہوری حکومت نے عبدالکریم کی حُریت کو جلاوطن کرکے تمدنی ثواب حاصل کیا ہے اور اقوام غالب کی دعائیں لیں + اُسکے بھونکارے نے پھر قلمدانِ وزارت کو سنبھالا اور اپنی ریشہ دوانی سے کھوٹے سکوں کو کھرا کر دکھایا +

اطالیہ ۔ روما کی گئی گذری عظمت کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔ قوت کے تعاقب میں اُس کا بطلِ اعظم

کمزوروں کو مسل ڈالنے پر آمادہ ہے اور موقع ڈھونڈ رہا ہے۔ مغربی نقطۂ نگاہ سے مسولینی اس وقت دنیا کی سب سے زبردست شخصیت ہے +

ملکوں میں بعض اوقات زور و قوت کا اک طوفان برپا ہوُا کرتا ہے قومیت جوش میں آتی ہے۔ رُوحِ عمل بیدار ہو جاتی ہے۔ اطالیہ میں آجکل یہ کیفیت ہے۔ اطالوی آزادی کی جنگ کے بعد اطالیہ نے دُولِ عظمیٰ میں جگہ پائی اور اس نعمت کو غنیمت جان کر اطمینان کی زندگی بسر کرنی شروع کی۔ دو چار دفعہ ہاتھ پاؤں ضرور مارے سمالی لینڈ کا ایک حصّہ ہضم کیا۔ طرابلس پر چھاپہ مارا۔ جنگِ عظیم میں غدّاری کی اور جرمنی کو فاتح نہ ہوتے دیکھ کر اتحادیوں کا ساتھ دیا لیکن ہر پیش قدمی میں ایسی بدنظمی اور بُزدلی کا ثبوت دیا کہ اطالوی بودا پن یورپ میں ضرب المثل ہو گیا + لڑائی کے بعد آسٹریا کا ایک حصّہ سمیٹ کر فرانس اور جرمنی کو ذرا کمزور پا کر بلقان کی ریاستوں کو خاموش دیکھ کر اب یہ گیدڑ بھی بھیڑیا بن گیا ہے اور شیر برطانیہ کی مخالفت سے بچ کر دوسرے درندوں کے ڈرانے کو اردگرد کی زمین اپنے پنجوں کے کریدتا ہے کہ ہوشیار رہو جاؤ + اطالیہ بحرِ روم کو "اطالوی جھیل" بنانے کا خواہشمند ہے۔ البانیا پر اپنی دوستداری ظاہر کرتا ہے جس سے اہلِ بلقان خائف ہو جاتے ہیں ترکی ساحل کی طرف نظر دوڑاتا ہے جس سے ترک جھٹ اپنے بیڑے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اپنے جہازوں کے کیل کانٹے درست کرتا ہے جس سے فرانس اپنی بحری قوت کا جائزہ لینے لگجاتا ہے یہ سب صرف ایک حیات بخش شخصیت کا اثر ہے جو اپنی مطلق العنانی میں ملک کے اندر باہر قوت و استبداد کی مظہر ہے +

جرمنی۔ مجلسِ اقوام کا رُکن بن کر اُس کی رُکنیت کے فوائد کی تلاش میں مصروف ہے کبھی انگلستان سے دوستی پیدا کرتا ہے کبھی فرانس سے کہتا ہے کہ آؤ بھئی وہ پُرانے قصّے بھُول جائیں۔ لیکن فرانس ہے کہ "شکست خوردہ" غنیم کا ہراس اس کے جی میں گھر کر گیا ہے اور وہ اپنے مخصوص انداز میں بزورِ مصافحہ کر کے صرف جرمنی کو انگریزوں سے الگ رکھنے کا تمنائی نظر آتا ہے +

جرمنی نے جس طرح کبھی جبر و طاقت آزمائی کی رزمگاہ میں اک تہلکہ برپا کر دیا تھا اُسی طرح اب اپنی سرد مزاجی اور حکمتِ عملی سے سیاست کی بزم میں اُس نے یورپ کے مدبروں کا دل موہ لیا ہے، مجلسِ اقوام میں اُس کا آنا تھا کہ ہر طرف سے اُس کے سر پر پھُول برسائے گئے اور تحسین کے نعرے بلند کئے گئے۔ کیونکہ یہ وہی جرمنی تھا جس نے دس برس پیشتر اک دُنیا کو اپنی طاقت کا لوہا منوا دیا تھا جس کی علمی و

جنگی قابلیت کی چار سُو دھاک بندھ گئی تھی۔ لیکن جسے اتحادیوں کے جمگھٹے نے گھیر کر مار لیا تھا اور اُس کا حقہ پانی بند کر کے اُس سے ملنا جلنا اک گناہِ کبیرہ قرار دیدیا تھا۔ اس معاشرتی جلا وطنی سے دُنیا والوں میں اُس کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوئی۔ فرانس اپنے نشۂ انتقام میں سرشار رہا۔ ہاں انگلستان کی مصلحت اندیشی نے تاڑ لیا کہ ہوا کا رُخ اور سے اور ہوگیا ہے۔ اُس نے آگے بڑھ کر پُرانے غنیم کا خیر مقدم کیا اور اوروں سے پھر اُس کا تعارف کرا دیا کہ آپ ہیں ہمارے پُرانے دوست!

جرمنی تبدیلِ رائے کا پُورا فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ جنگی ساز و سامان اور فوجی تیاریوں کی مناہی سہی نقل و حرکت کے لئے ہوائی سفر میں اُس نے بیسیوں سہولتیں پیدا کر دی ہیں۔ اُس کے ادویات و پارچات ہمارے جسم و جان کی محافظت میں پہلے کی طرح ہمہ تن سرگرم نظر آتے ہیں۔ جو کچھ اُس نے غلط کار قوت سے کھو دیا تھا اُسے اب وہ شیریں گفتار حکمت سے واپس لینا چاہتا ہے۔

رُوس۔ مغربی نکتہ چینیوں کو دیکھ کر مشرقیوں سے اتحاد قائم کرنیکی فکر میں ہے۔ دُولِ عُظمیٰ میں سے کم از کم نصف اُسکے خلاف ہیں اُسکی طرزِ حکومت سے خائف ہیں اور اپنی اشتہار بازی سے دُنیا کو یقین دلا رہی ہیں۔ کہ رُوسی اشتراکیت و جمہوریت عنقریب فنا ہونیوالی ہے فنا ہو چکی ہے لیکن برسوں گذر گئے ہیں اور رُوس کا بالشویانہ انداز ہنوز اُستوار ہے۔ وہ دُنیا بھر کی مفلوک الحال جماعتوں کو بہانگِ دہل اپنی اشتراکی جنگ میں شرکت کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے میں ہوں وہ جو زر و دولت اور موروثیت سے مظلوم لوگوں کو رہائی دینے کے لئے بروئے کار آیا ہوں۔

جاپان۔ ایشیا کا انگلستان ہے جو اُس وقت فتوحات کے میدان میں آیا جب مغرب کے زبردست خالی زمینوں پر قبضہ کر چکے اور مشرق کے کاہل بھی اپنی گہری نیند سے کچھ بیدار ہو لئے۔ چین پر اُس کا جادو نہ چلا اور سفید قوموں کے حسد کی آگ بھڑک اُٹھی یعنی زرد ہمسائے اپنے افیم کے نشے سے جاگ پڑے اور سفید اجنبی بھاگ دوڑ کر جوڑ توڑ کرنے لگے۔

ترکی۔ جس نے چند سال ہوئے یورپ والوں کے خلاف اپنی شجاعت کے ہنر دکھائے تھے اب اُن کی مجلس میں اپنے تدبر و سیاست کا سکہ جما رہا ہے۔ وہ اُدھر رُوس سے اتحاد پیدا کر رہا ہے۔ اِدھر انگلستان سے معاہدہ کر رہا ہے اور سب سے کہے جاتا ہے بھائیو! میں کسی کا دشمن نہیں میں سبھی کا دوست ہوں۔ معاشرت میں ترکی کی مغربیت پسندی خطرناک طریقے سے بڑھ رہی ہے لیکن سیاست میں وہ اُسے اُن تمام خطروں سے بچا رہی

ہے۔ جو مغرب کی سمت سے اُس کی سرحد پر دھادے مارتے ہوئے اُمنڈ آیا کرتے تھے۔ یورپ کا "مردِ بیمار" اب ایشیا کا "مردِ ہشیار" بن گیا ہے ٭

چین۔ وہ مُدتوں کا سویا ہُوا اژدہا جسے مُردہ سمجھ کر مغرب کے شکاری اُسکے ہیبتناک جسم پر برسوں تک اپنا چُولھا پھونکتے رہے اُس میں اب حس و حرکت کے آثار نمودار ہو رہے ہیں٭ اُسکے گھر میں کچھ پھوٹ پڑ گئی ہے وہ ابھی قومی تنظیم سے پوری طرح واقف نہیں لیکن قومیت کے انگارے اب اُسکے مُنہ میں دہک رہے ہیں اور "مراعات جو" اجنبی اب اُسکی پھُنکار سے ڈر ڈر کر پرے ہوتے جاتے ہیں٭ خودداری کی روح اُس میں بیدار ہو چکی ہے اور وہ تازہ ترین اکتشافات کی تلاش میں ہے کہ اُن سے پھر اپنے قوی ہیکل جُثے میں وہ حقیقی عظمت و سطوت پیدا کرے جسے سفید لوگ کبھی اک خیالی "زرد خطرے" کے نام سے پکارتے تھے٭

ایران۔ رضا شاہ اور افغانستان امان اللہ کے مشروط استبداد میں نزد بانِ عروج پر صعود کر رہا ہے۔ ترکی کی طرح یہ دونوں بھی عالمگیر مصالحت اور عالمگیر منفعت کے اصول پر چل رہے ہیں٭ تقابل و تصادم کے اِس زمانے میں اسلامی قوموں کا یورپ کی جوع البقر سے بچ کر از سرِ نو زندہ ہو جانا دُنیائے سیاست کا سب سے حیرت انگیز معجزہ ہے٭

ہندوستان۔ چڑھ چڑھ کر گرتا اور بڑھ بڑھ کر پھر پیچھے کو ہٹتا معلوم ہوتا ہے۔ جہاں کبھی ہندو مسلم اتحاد پر اعتقاد تھا وہاں آج اتحاد کی صدا الحاد سے کم نہیں۔ ہندوؤں میں ہندویت کا زور اور مسلمانوں میں مسلمانیت کا شور ہے٭ ہندو سمجھتے ہیں کہ ملک ہمارا تھا۔ غیر ملکی آئے ہم اُنکے دبائے سے دب گئے، وہ جنھوں نے طوفان اُٹھایا تھا گرد کی طرح بیٹھ گئے ہیں۔ اب وقت ہے کہ ہم اُٹھیں اور اُنکو اُٹھنے سے روکے رہیں٭ مُسلمان کہتے ہیں ہم صدیوں جس گھر میں رہے وہ گھر ہمارا ابھی ہے، ہمارے پاس زر و دولت زیادہ نہیں تعلیم بھی کچھ کم ہے لیکن ہم میں کبھی زور تھا ہم کبھی علوم کے سرمایہ دار تھے سو ہمیں اپنے اندوختہ میں سے کچھ حصہ دو اور چھوٹے بھائی سے پیار کرو٭ غرض بھائی بھائی لڑتے ہیں اور غیر چین سے بیٹھے ہیں، جانتے ہیں کہ انکے باہمی پیار کا اعتبار نہیں دو دن منے رہینگے تو دو برس پھر لڑائی ٹھنی رہیگی اگر انکو یہی منظور ہے تو ہمارا اس میں کیا قصور ہے٭ دُنیا ترقی پر ہے۔ پھر ہندوستان کیوں مائل بہ تنزل ہے؟ کیا یہ قاعدۂ کلیہ کا وہی بیش بہا مستثنیٰ ہے جو قاعدے کی صحت کا محافظ ہے؟ ہم سمجھتے ہیں اس لڑنے جھگڑنے میں بالآخر ہمارا نقصان نہیں۔ ہم نے اک عارضی صلح اک مصنوعی محبت قائم کر لی تھی جس کا مُسلسل قیام اگر ممکن ہوتا تو غایت درجہ مضرت رساں بھی ضرور ثابت ہوتا۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہماری محبت کی بناء باہمی محبت نہیں محض غیروں کی مخالفت ہے۔ پھر ایسی محبت کبتک قائم رہتی اور کس لئے؟ ہمارے اختلافات کیونکر مناقشات میں رُونما نہ ہو جاتے ہماری حسد آرائیاں کیونکر رنگ نہ لاتیں؟ اچھا ہُوا کہ ہم غیروں کے ہوتے لڑ لئے ایک ستم ظریف پنچ کے ہوتے جھگڑ لئے جس نے ہماری جان و مال کی محافظت پوری کی کہ ہمیں تیر و تفنگ کے بار سے سبکدوش کر دیا٭ اب بہتر یہی ہے

جذباتِ ہمایوں

(آنریبل جسٹس میاں محمد شاہدین صاحب ہمایوں مرحوم)

اتحادِ قوم سے ہر فرد یکتا ہو گیا
قطرہ دریا میں ملا تو خود بھی دریا ہو گیا

میرے آئینکی غرض خود مجھ سے پنہاں ہو گئی
بزم عالم میں جو میں محوِ تماشا ہو گیا

دار پر کھنچ کر فنا فی الحق ہُوا منصور جب
اِدّعا جو تھا انا الحق کا وہ سچّا ہو گیا

بیکلی سے پائی کل میں نے عجب تسکینِ دل
درد بڑھ کر خود مرے دل کا مداوا ہو گیا

یا وُہ شورِ محشر اَور یا یہ خموشی قبر کی
آ کر اُس کی بزم میں اے دل! تجھے کیا ہو گیا؟

جین بپٹائیز گرز جس کی ایک تصویر وفا کے عنوان سے ہمایوں کی موجودہ اشاعت کی زینت ہے ۱۷۲۵ء میں پیدا ہوا۔ وہ اٹھارھویں صدی کے فرانسیسی مصوروں میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ عام طور پر اُسکی مصوری کے نمونے بچوں اور نوجوان لڑکیوں کی تصاویر پر مشتمل ہیں ؛

بچپن ہی میں گرز کی طبیعت کا رجحان مصوری کی طرف تھا۔ اس کا باپ اُس کے اِس شغل کو بالکل بے مصرف اور بے سود سمجھتا تھا۔ اُس نے بہت کوشش کی کہ گرز یہ خیال چھوڑ کر کوئی مفید کام سیکھے لیکن گرز کی طبیعت میں قدرت نے جو جوہر ودیعت کر رکھا تھا اس کا چھپا رہنا غیر ممکن تھا۔ جب اسکے باپ نے دیکھا کہ گرز کسی طرح اس خیال کو نہیں چھوڑتا تو وہ اُسے لیانز لے گیا اور وہاں جاکر اس نے گرز کو کام سیکھنے کے لئے ایک مصور گرانڈن کے سپرد کیا اس شخص نے بقول گرز کے "تصویروں کا کارخانہ" کھول رکھا تھا اور وہاں اپنے مددگاروں کے ذریعہ سے سیکڑوں تصویریں فروخت کے لئے پیدا کیا کرتا تھا۔ بعض اوقات گرانڈن شہر کے مضافات کا دورہ کیا کرتا۔ اور اس دَوران میں تاجروں اور اُن کی بیبیوں اور لڑکیوں کی تصویریں بنایا کرتا۔ ان موقعوں پر گرز بھی گرانڈن کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ اور اس کا نوجوان دل جو حسن کی تلاش کے لئے بیقرار تھا اپنے گردوپیش اپنی تسکین کا سامان فراہم پاتا تھا۔ اس زمانے میں جو نقوش اسکے دل نے قبول کئے تمام عمر اسکے قلم اور اس کے خیالات سے ظاہر ہوتے رہے ؛

عنفوانِ شباب ہی سے عورت کا حُسن اور شباب اس کی دلچسپی کا مرکز رہا اور بالآخر اس کی اکثر تصاویر کا موضوع بھی یہی رہا ؛

محبت کا غالباً سب سے پہلا تجربہ اُسے اُسی زمانے میں ہُوا جب وہ گرانڈن کے گھر میں مصوری کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہاں اسکے دل میں اپنے استاد کی نوجوان اور خوبصورت بی بی کے متعلق احترام آمیز محبت کے جذبات کی پرورش ہوئی۔ اگر مادام گرانڈن کی بیٹی ایک خاص واقعہ نہ دیکھ لیتی تو کبھی کسی کو اس حقیقت کا علم بھی نہ ہوتا۔ ایک دن مادام گرانڈن کی بیٹی اچانک تصویر خانے میں داخل ہُوئی تو اس نے دیکھا کہ گرز فرش پر اس طرح جُھکا ہُوا ہے جیسے کوئی کسی چیز کی تلاش کر رہا ہو اور گرز نے بھی اپنی اس حالت کی یہی توجیہ کی

لیکن مادام گرانڈن کی بیٹی نے دیکھ لیا کہ وہ اس کی ماں کے پاؤں کے ایک جوتے کو جو وہاں پڑا تھا چوم رہا ہے۔ اس واقعہ کے بیان سے محض گرز کی شاعرانہ طبیعت کا اظہار مقصود ہے +

گرانڈن سے فارغ التحصیل ہونیکے بعد گرز نے کام شروع کرنیکے لئے سیدھا پیرس کا رخ کیا۔ یہاں اسے ابتداء میں بہت ہی دقتوں کا سامنا ہوا لیکن اس نے اپنے اعتمادِ نفس سے تمام مشکلات کا جم کر مقابلہ کیا اور آخرکار اسکے سر پر کامیابی کا سہرا باندھا گیا +

۱۷۵۵ء کے موسم خزاں میں گرز نے اٹلی کا سفر کیا اور وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہا۔ اس دوران میں اس نوجوان خوبصورت مصور کو روم کے ایک ڈیوک نے اپنی بیٹی کی مصوری کی تعلیم کے لئے مامور کیا۔ لیکن نوجوان شہزادی لوٹیشیا کو اپنے اُستاد کے ساتھ محبت ہوگئی گرز نے آخری عمر میں اپنی شاگرد لڑکیوں کے سامنے بےغرض محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے شہزادی لوٹیشیا کی داستان بیان کی +

اُس نے بتایا کہ وہ قرائن ہی سے سمجھ گیا تھا کہ اُس کی شہزادی کے دل میں اسکی محبت پیدا ہو رہی ہے اور چونکہ اسے پہلے ہی شہزادی سے محبت تھی اگر دونوں کے درمیان فرقِ مراتب کی خلیج حائل نہ ہوتی تو پھر کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لیکن اپنی صورتِ حال کو مدِنظر رکھ کر گرز نے مصلحت کے تقاضے سے مناسب یہی سمجھا کہ شہزادی سے الگ ہو جائے۔ یہ بات خود اسکے لئے بہت دشوار تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے اپنے کام سے بھی مطلق دلچسپی نہ رہی۔ ادھر شہزادی لوٹیشیا غم سے بیمار ہوگئی اسکی بیماری کی خبریں گرز کے دل کو سخت رنج پہنچاتی تھیں۔ ایک دن ڈیوک جس کو اس واقعہ کا مطلق علم نہ تھا۔ گرز کو راستہ میں ملا۔ اس نے اُسے محل سے اس قدر عرصہ کے لئے غیرحاضر رہنے پر ملامت کی، وہ اُس سے اپنے کسی دوست کو تحفہ کے طور پر دینے کے لئے چند تصویریں بنوانا چاہتا تھا۔ آخر گرز کو مجبوراً محل میں جانا پڑا۔ یہاں لوٹیشیا کو اس سے ملاقات کا موقع ملا۔ اس نے گرز سے کہا کہ میں اپنی تمام جائداد جو مجھے اپنی ماں سے ترکہ میں ملی ہے تمہارے نام منتقل کر دونگی اور تمہارے ساتھ پیرس کو چلی جاؤنگی۔ گرز نے پہلے تو یہ بات مان لی، لیکن بعد میں یہ سوچ کر کہ اس فرار کی شادی سے شہزادی اپنے باپ اور دوسرے عزیزوں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیگی۔ اس نے اس صورت کو قابل عمل نہ سمجھا۔ مگر شہزادی کے سامنے انکار کرنا مشکل تھا۔ کبھی وہ یہ سوچتا کہ شہزادی سے کہدے کہ مجھے تم سے محبت نہیں، لیکن یہ بات اسکے لئے ممکن نہ تھی کیونکہ وہ خود نہ چاہتا تھا کہ شہزادی کے دل میں اس قسم کا خیال تک بھی پیدا ہو۔ وہ اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ شہزادی کے باپ نے اسکی شادی ایک کاؤنٹ

سے ٹھہرائی اور چونکہ گرز کی رضامندی کی کوئی صورت نہ نظر آتی تھی اسلئے لوٹیشیا نے بھی سر تسلیم خم کر دیا۔ شادی کے بعد گرز بھی اس کاؤنٹ سے ملا۔ اس نے گرز کی مصورانہ قابلیت کی تعریف کی اور اس سے لوٹیشیا کی ایک تصویر بنوائی۔ گرز نے خفیہ طور پر اپنے لئے بھی شہزادی کی ایک تصویر بنالی اور اسکے بعد فرانس کو روانہ ہو گیا ٭

اس بات کے آٹھ سال بعد گرز کو شہزادی کے متعلق معلوم ہوا کہ اب وہ پانچ بچوں کی ماں ہے انہیں دنوں گرز کو شہزادی کا ایک خط بھی ملا جس میں اس نے اسکی مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا تھا۔ خط و کتابت کا یہ سلسلہ شہزادی کے مرنے تک قائم رہا۔ گرز کو شہزادی کی موت سے سخت رنج پہنچا ٭

گرز کی شادی ایک کتب فروش کی بیٹی این سے ہوئی۔ یہ لڑکی خوبصورت تھی اور گرز کی اس سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی لیکن اسے شادی کا خیال تک نہ تھا۔ این نے خود اسے شادی کا پیغام دیا اور مختلف طریقوں سے اسے شادی کرنے پر مجبور کر دیا۔ آخر گرز کی شادی اسی سے ہوئی اور وہ ہنسی خوشی رہنے لگے۔ گرز کی تصویروں میں این کے خدوخال اور اعضا کا عکس نظر آتا ہے۔ این نے گرز کی مصوری پر بہت نمایاں اثر کیا۔ لیکن وہ بہت اسراف پسند تھی اسکی اس قسم کی عادتوں کی وجہ سے گرز کی زندگی آخر تلخ ہو گئی اور ستر سال کی عمر میں اسے اس سے بالکل علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اس زمانے میں گرز نہایت مفلوک الحال ہو گیا ٭

۱۸۰۵ء میں گرز کا انتقال ہوا۔ جس وقت اس کا جنازہ گزر رہا تھا۔ ایک عورت جو سیاہ نقاب پہنے ہوئے تھی اس کے کفن پر سدا بہار پھولوں کا ایک ہار ڈال گئی۔ اسکے ساتھ کاغذ کے ایک پرزہ پر یہ الفاظ لکھے تھے "یہ پھول اس کی عظمتِ شان کے لئے بطورِ طغرا اس کی ایک شکر گزار شاگرد کا ہدیہ ہیں"۔

کہتے ہیں کہ جب نپولین کو گرز کی موت اور اس کی مالی پریشانیوں کی خبر ملی، تو اس نے کہا "گرز نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ اگر مجھے علم ہوتا تو من زر و جواہر اسکے قدموں پر نثار کرتا ٭

حامد علی خاں

دُنیا کی معاشرتی و مذہبی تاریخ پر اک نظر

دُنیا میں ہر کمال کو زوال ہے ہر ترقی کے لئے تنزل ہے۔ بہت سے تمدن تھے کہ جنکا چراغ روشن ہُوا اور بُجھ گیا بہت سی قومیں تھیں کہ اُبھریں اور مٹ گئیں! بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشیب و فراز اک کھیل تماشا تھا جو کسی کے دل بہلاوے کے لئے جاری ہوا لیکن ذرا غور سے دیکھو تو اس صدیوں کے اُلٹ پھیر میں قدرت کے اٹل قانون خاموشی سے اپنا کام کرتے نظر آتے ہیں اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ قوموں اور ملکوں کا عروج انحطاط میں تبدیل ہو جائے مگر دُنیا بلکہ تمام کائنات ہمیشہ ترقی پر ہے کمال زوال ہوتا ہے کہ اُس میں سے اک اور کامل تر کمال رُو نما ہوا اور ہر تنزل کے بعد کی ترقی پہلی ترقیوں سے سبقت لے جاتی ہے!

اس زمانے میں جسے زمانۂ قبل تاریخ کہا جاتا ہے انسان کی زندگی فقط اُس کی حیوانی مصروفیتوں پر مشتمل تھی، وہ کھوہوں اور غاروں میں رہتا اور جنگل کی پھل پھلاڑی سے اپنی خوراک مہیا کرتا۔ کچھ مدت بعد جب اُس نے پتھر سے آگ نکالنا اور جانوروں کو پالنا سیکھا تو اُسے صید و شکار کا شوق ہُوا اور وہ غاروں کو چھوڑ کر میدانوں میں پھرنے لگا۔ اُس نے بیج بونا اور غلّہ کاٹنا شروع کیا۔ وہ آوارہ گرد تھا اب آباد کار بن گیا۔ دھاتوں کے استعمال سے صنعت و حرفت کا آغاز ہُوا۔ اور دُنیا کے مختلف حصوں کی مختلف پیداواریں تجارت کا ذریعہ بن گئیں۔ بتدریج اُس نے گاؤں اور شہر بسائے اور جسم و جان کی حفاظت سے گذر کر وہ دل و دماغ کی قوتوں کو کام میں لایا۔ اُس نے علم و ہنر کو بڑھایا۔ اور تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالی اُس نے مذہب و فلسفہ کو چمکایا اور اُن کی روشنی سے عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ صدیوں پر صدیاں گذرتی گئیں۔ چھوٹی بستیوں میں ریاستیں بنیں ریاستوں میں سلطنتیں قائم ہُوئیں اور بالآخر دنیا کی بعض سرسبز و زرخیز وادیوں میں اُن مشہور تہذیبوں کا نشو و نما ہُوا جن کے کارنامے تاریخ کے اولیں صفحات کی زیب و زینت ہیں، وادیٔ نیل میں مصری وادیٔ ہوانگ ہو میں چینی وادیٔ دجلہ و فرات میں بابلی و اشوری اور وادیٔ سندھ و گنگا میں ہندی تمدن کا بول بالا ہُوا +

ہم نے چند لفظوں میں تہذیب و انسانیت کے ارتقا کی تصویر کھینچ دی ہے گویا یہ ارتقا چند صدیوں میں تکمیل کو پہنچ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری رفتار ترقی اس قدر ہلکی ہے کہ انسانیت کی چیونٹی کہیں ہزار دن سال میں جا کر چند قدم کا فاصلہ طے کرتی ہے + مغربی سائنس کے مشکوک اندازے کے مطابق تین ارب سال ہُوئے کہ

زمین سورج کے بطن سے پیدا ہوئی۔ اسّی کروڑ سال ہوئے کہ یہاں زندگی کا ظہور ہؤا اور پانچ لاکھ سال ہُوئے کہ انسان ظاہر ہؤا +

زمانۂ حجریۂ قدیمہ کا آغاز ایک لاکھ سال ق م میں ہُوا۔ پچاس لاکھ سال ق م میں جب انسان چوتھے زمانۂ برف کی سردی سے بچنے کے لئے غاروں میں رہنے لگا تو اُس نے زیادہ نفیس سنگین اسلحہ بنانے شروع کئے اور غالباً بیس ہزار ق م میں اُس نے آگ جلانا سیکھا، دس ہزار سال ق م میں جدید **زمانۂ حجریہ** کا آغاز ہؤا۔ گرمی کا زمانہ آیا انسان نے غاروں کو چھوڑا اور بعض لوگ جنوب سے شمالی ملکوں کی طرف چلدیئے۔ اس زمانے کے ختم ہونے سے پہلے انسان نے بعض نہایت مفید واہم باتیں دریافت کیں۔ جانوروں کے شکار کے بجائے اب وہ مچھلیوں پر گذر اوقات کرنے لگا۔ اُس نے جانوروں کا پالنا اور کھیتی باڑی کرنا سیکھا۔ وہ جھونپڑوں میں رہنے لگا اور بعض مقامات میں اُس نے اپنے رہنے کے لئے جھیلوں میں مصنوعی جزیرے بھی بنائے + قدیم زمانۂ حجریہ میں اُس نے اک بولی کے ذریعے سے اپنے خیالات کا اظہار کرنا سیکھا تھا جدید زمانۂ حجریہ میں اُس نے اس بولی کے لفظوں کو لکھنے کا طریق ایجاد کیا + اس زمانے کے بعد مشرق میں (۵۰۰۰) پانچ ہزار سال ق م میں اور مغرب میں دو ہزار (۲۰۰۰) سال ق م میں **زمانۂ فلزات** کا آغاز ہؤا جب انسان نے پہلے تانبا پھر سیسہ اور پھر لوہا دریافت کیا + دھاتوں کی دریافت نے تمدن میں اک انقلاب پیدا کر دیا۔ گھر کے برتن کام کے اوزار اور جنگ کے آلات زیادہ عمدہ اور زیادہ کارآمد بننے لگے۔ سیسے کے اوزاروں سے مصریوں نے اہرام تعمیر کئے اور لوہے کے آلاتِ حرب سے اشوریوں نے وہ زبردست فوجیں تیار کیں جنہوں نے آس پاس کے ملکوں میں بیدریغ خون کی ندیاں بہادیں +

ارسطو کا قول ہے کہ "انسان ایک معاشرتی جانور ہے"۔ دائرۂ معاشرت کے باہر وہ کبھی نہ زندہ رہا ہے نہ رہ سکتا ہے + اس **معاشرت** کی پہلی صورت شکاریوں کی ٹولیوں میں تھی + پالتو جانوروں کی اعانت اور کھیتی باڑی کی معاش سے انسان صید و شکار کے اتفاقات سے بالا بالا زندگی بسر کرنے لگا۔ جدید زمانۂ حجریہ میں ایک طرف تو صحراؤں اور میدانوں میں گلہ بانوں کی قومیں پھرنے لگیں دوسری طرف سرسبز و شاداب وادیوں میں زراعت کرنے والی قوموں نے بود و باش اختیار کی + گلہ بان صحرائے اعظم ملکِ عرب اور وسط ایشیا کے لق و دق میدانوں میں گھومنے لگے مزارعین نیل دجلہ و فرات سندھ و گنگا ہوانگ ہو دیانگ نسی کیانگ کی وادیوں میں بس گئے + گلہ بانی بربریت کے درجے سے آگے نہ بڑھ سکی۔ چند ہزار گلہ بانوں کے لئے کئی لاکھ

مربع میل زمین درکار ہوتی اور جب وہاں بھی دانہ پانی کی کمی ہوتی تو گلہ بان بے تحاشہ مزارعین کے گھر بار پر جا پڑتے اور تباہی بربادی پھیلاتے چلے جاتے + زراعت تمدن کا زینہ بن گئی۔ مرد کھیتوں اور باغوں کی نگہداشت کرتا عورت گھر بار اور بچوں کی دیکھ بھال کرتی + اس طرح ایک حد تک مرد عورت کا کام جدا جدا ہو گیا اور دونوں کو اپنے اپنے کام میں پہلے سے زیادہ مہارت حاصل ہوئی +

دُنیا کے مختلف حصّوں میں جو مختلف لوگ بس گئے تھے انہیں مختلف قوموں کی صورت میں ایک دوسرے سے واسطہ پڑا۔ اول اول تو اس تقسیم کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جب کسی قوم کا خطّۂ زمین دانے چارے سے خالی ہو جاتا یا جب اُسے کسی اَور زیادہ زرخیز قطعۂ زمین کا پتہ چلتا تو وہ اک دوسری قوم پر جا چھاپہ مارتی اس طرح برسوں بلکہ صدیوں جنگ ٹھنی رہتی۔ ان لڑائیوں میں سخت ترین وہ تھیں جو خانہ بدوشوں اور شہر آبادوں کے درمیان چھڑیں اور جن کے اثرات کی اہمیّت کی تاریخ انسانی ہزاروں سال تک شاہد رہی + لیکن خوش قسمتی سے اس تقسیمِ قومی کے بعض اچھے نتائج بھی تھے۔ قوم کے اندر جنگ کی کامرانی اور نسل کی بقا کے لئے ایسی ایسی صفات پیدا ہو گئیں کہ مُصیبت باعث رحمت اور جنگ باعثِ ترقی ثابت ہُوئی۔ لوگ ایک مشترک غرض کے لئے مل کر کوشاں ہُوئے اُنکے دلوں میں اتحاد کی رُوح پیدا ہُوئی انہوں نے حُکم برداری کی عادت سیکھی اور وہ اپنے ذاتی آرام کو قوم کی بہتری پر قربان کرنے لگے + اس کے علاوہ باوجود جنگ کے آہستہ آہستہ قوموں میں تجارت اور تبادلۂ خیالات کی بنیاد پڑی جس سے ایک خطۂ زمین کا تمدن دوسرے خطّۂ زمین کے تمدّن سے غیر محسوس طور پر متاثر ہونا شروع ہوا + پھر ہر قوم کے اندر باہمی حفاظت امن وامان اور بقائے زندگی کے لئے جان و مال کے لحاظ قیامِ شادی استواریٔ عہد اور ایسی رسوم وغیرہ کی نشوونما ہُوئی۔ ان خیالات وعادات نے قوم کو بگڑنے اور فنا ہونے سے بچایا + مدتوں اخلاق کی قوت محض قومی دائرے تک محدود رہی۔ قوم کے دائرے کے باہر اخلاق برتنا انسان نے صدیوں کے بعد سیکھا اور آج اس شائستگی کے عہد میں بھی قدرت کا اُستاد اکثر اپنے ہٹ دھرم شاگرد کو یہی مشکل سبق پڑھاتا نظر آتا ہے۔ یہ **اخلاق کی اِبتدا تھی** +

جسم وجان کی حفاظت انسان کا پہلا کام تھا لیکن اسی میں ہزاروں اَور کام مضمر تھے۔ ہم دیکھ چُکے ہیں کہ چقماق سے آگ نکالنا وحشی جانوروں کا سدھانا پتھروں اور دھاتوں کی مدد سے مکانات اور اسلحہ تیار کرنا ان دریافتوں کے ساتھ ساتھ انسان نے ایک خاص زبان کا استعمال اور پھر اس زبان کے الفاظ

فقرات کا قلمبند کرنا ایجاد کیا۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ قدیم زمانۂ حجریہ کے غاروں میں قدیم انسان کی تصویر کشی کے بعض حیرت انگیز نمونے پائے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے ذوالجلال نے شروع ہی سے انسان کو دوسرے حیوانوں کی راہ سے الگ ایک راہ دکھادی تھی + **یہ علم و فن کی ابتدا تھی** + بعد میں وادیوں میں رہنے والی قوموں نے جب امن کی زندگی بسر کرنی شروع کی تو انہوں نے کھیتی باڑی کے نئے آلات ایجاد کئے۔ آبپاشی کے نئے طریقے نکالے۔ خشکی پر اینٹ پتھر کے مکان بنائے پانی میں کشتیاں اور جہاز چلائے۔ پھر مساحت اور نجوم کتابت اور نقاشی فلسفہ اور دینیات فنون و ادب صنعت و حرفت انسان کے چمن میں ہر رنگ کی کلیاں پھوٹیں اور ان کی بھینی بھینی خوشبوئیں چار دانگ عالم میں پھیل گئیں +

ابتدائے تمدن میں انسان کو بہت سی دقتوں کا سامنا ہوا۔ قدیم قوم کو مصیبتوں کے بھوت پریت پاؤں میں طرح طرح کے روڑے اٹکاتے معلوم ہوتے تھے۔ اکثر لوگ ان مخفی قوتوں کے آگے اپنے ہتھیار ڈال دیتے لیکن بعض جدت طراز منچلے آدمیوں نے اپنے ٹونے ٹوٹکے سے اُن پر قابو پایا اور بہت سی مشکلات کو آسان کر دیا۔ یہ **جادو کا آغاز تھا** + دراصل اسی ابتدائی عہدِ بربریت میں قوی دل انسان نے بے جانے بوجھے اپنی طاقتِ آفرینش اور قوتِ ارادی کو ذاتی تجربے سے پالیا تھا۔ ان کارناموں کو اُس نے سحر آفرینی کی طرف منسوب کیا، وہ اپنے کم زور ہم نفسوں پر اپنی قلبی قوتوں کے ذریعے سے قابو پالینا اور پھر جس طرف چاہتا اُن کا مُنہ موڑ دیتا یہاں تک کہ انہیں قدرت کی بعض طاقتیں بھی طلسمِ سیاہ کے آگے سر جھکاتی نظر آئیں +

لیکن انسان نے دیکھا کہ عناصر کی تسخیر کچھ آسان کام نہیں اور پھر باوجود اس سحر انگیزی کے قدرت کی قوتیں نہایت زبردست اور خونخوار ہیں۔ اس نے خیال کیا کہ جس طرح وہ اپنی مرضی سے اپنے اعضا کو ہلاتا جلاتا ہے اسی طرح قدرت کے کام اوروں کی مرضی کے تحت میں ہیں۔ وہ سمجھا کہ کائنات میں اُس کے مانند اور بہت سی ہستیاں ہیں بعض نرم دل اور مہربان بعض درشت اور ظلم شعار۔ وہ اُسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ شمس و قمر اور باد و باراں کی متلون مزاجی نے اُس کے دل میں خوف و خطر کے جذبات پیدا کر دئے۔ زمین اپنے زلزلوں سے جنبش میں آئی تو وہ کانپ اٹھا۔ بجلی کڑکی تو اُس کا دل دہل گیا۔ ان نازک مزاج اور بد دماغ قوتوں سے بچنے کی بجز اس کے اُسے اور کوئی راہ نہ سوجھی کہ اُن کے سامنے سرِ تسلیم جھکا دے اور انہیں پوجے۔ رات نے اپنا سائبان پھیلایا تو تاروں بھرے

آسمان کو دیکھ کر وہ سمجھا کہ یہ میرے بزرگوں کی رُوحیں ہیں یا اُنکے مسکن۔ ان ارواح کی خوشنودی کو اُس نے اپنی فلاح کا ذریعہ جانا اس لئے اُن کی پرستش ضروری قرار پائی۔ پھر ہر وقت اُن کی حضوری سے فیضیاب ہونے کے خیال سے اُنکے مجسمے بنائے اور انہیں خوش رکھنے کی غرض سے نذریں مانیں چڑھاوے چڑھائے اور قربانیاں کیں۔ دُنیا کی چیزوں میں سے اُس نے اکثر کے بُت بنائے اور اُن کی پُوجا پاٹ شروع کر دی + یہ مذہب کی ابتدا تھی +

قدیم انسان کا مذہب محض اک انفرادی معاملہ نہ تھا فقط اک ایسا تعلق نہ تھا جو انسان اور اُس کے خالق کے درمیان قائم ہُوا بلکہ دوسری قدیم مصر دفینوں کی طرح وہ زیادہ تر اک معاشرتی مصروفیت تھی۔ مذہب کا چشمہ انسان کے کُنج دل سے پھُوٹا تھا مگر اُس کی آبجُو دُنیائے معاشرت میں سے ہو کر بہتی تھی + زندگی کی دُشوار گذار گھاٹیوں میں وہ مذہب ہی کا آسرا تھا جس نے قلب انسان کی تنہائی میں اُسکا ساتھ دیا۔ انسان موت سے سخت ڈرتا تھا مذہب نے بتایا کہ زندگی موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے + اس زمانے کے مذہب کی رسومات سب مِل جُل کر ادا کی جاتی تھیں اور اُن سب کا اک مفید مطلب مقصد ہوتا تھا مثلاً سنِ بلوغ کی رسموں کا مدعا یہ تھا کہ بالغ شخص دائرۂ معاشرت میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس و اقرار کرے۔ اطوار و اخلاق کے قواعد سے سوسائٹی کی اصلاح منظور تھی اور آئندہ زندگی کے اعتقاد کا مدعا یہ تھا کہ خیالات و اعتقادات کا تسلسل قائم رہے۔ رسومات کو علانیہ اور مجمعوں میں ادا کرنے کی بڑی غرض یہ بھی تھی کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کا رعب و جلال پیدا ہو اور ساتھ ہی نوعِ انسان کا اخلاقی نظام برقرار رہے + قدیم انسان کا مذہب زیادہ تر روزمرہ کی ضروریات سے متعلق تھا اُس کا کام عمل کی اعانت تھی خیالات کی اصلاح تھی +

غرض انسان کے تین بڑے اوّلیں مددگار اُس کا علم اُس کا جادو اور اُس کا مذہب تھے علم مشاہدے اور تجربے پر مبنی تھا۔ جادو بعض افراد کی قوتِ ارادی پر منحصر تھا اور مذہب دلی احساسات اور عموماً معاشرتی ضروریات کا نتیجہ تھا + جوں جوں انسان نے ترقی کی علم کے اکتشافات اور مذہب کے احساسات بھی ترقی پاتے گئے۔ جادو کچھ اُڑان چھُو ہو گیا اور باقی ماندہ کچھ علم اور کچھ مذہب میں جذب کر لیا گیا + صدیوں کی تگ و دو کے بعد میدانِ زندگی میں صرف علم اور مذہب رہ گئے۔ کبھی کبھی اُن میں علانیہ مخالفت ہُوئی۔ جن سے عارضی طور پر دونوں کو نقصان ہُوا لیکن عموماً اُن میں اک مستور رقابت قائم رہی جو بظاہر ضرر رساں

لیکن دراصل دونوں کے لئے بالآخر ترقی کا باعث ہوئی +

علم و تمدن کا آغاز بھی اُسی سرزمین سے ہوا جس میں برکتِ خداوندی سے پہلے پہل مذہب کے علمبردار اُٹھے۔ وہ سرزمین جو مصر و ایران کے درمیان واقع ہے دُنیا کے سب خطوں پر سبقت لے گئی۔ اہلِ چین و اہلِ ہند دعوے دار ہیں کہ ہمارا تمدن قدیم ترین ہے لیکن جہاں تک ہماری غیر مکمل تاریخی و اثری شہادت کام دیتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر ان دونوں سے زیادہ قدیم اور بابل اُس سے زیادہ اور ایلم اُس سے بھی زیادہ قدیم ہے + کہا جاتا ہے کہ ایلم کے تمدن کا زمانہ بارہ ہزار سال قبل مسیح ہے + قدامت میں کسی سرزمین کو سبقت ہو اغلب یہ ہے کہ مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے تمدن ایک دوسرے سے الگ الگ مختلف وادیوں میں نشو و نما پاتے رہے + بابل کا تمدن چار ہزار سال ق م سے دو ہزار سال ق م تک قائم رہا۔ اخیر زمانے میں ان کا سب سے مشہور بادشاہ حمورابی تھا جسکے قوانین کا ایک کتبہ چند سال ہوئے سُوسہ میں دریافت ہوا + اسکے بعد اشوری تمدن تقریباً ایک ہزار سال تک دوآبہ پر حاوی رہا یہاں تک کہ اہلِ میدیا اور اہلِ بابل نے مل کر ۶۰۶ء ق م میں نینوا کے شہر کو منہدم کر دیا + بابل کو اپنے بادشاہ بنوشدنزار کے عہد میں دوبارہ فروغ حاصل ہوا۔ اُدھر یہودیوں نے فلسطین میں اپنی حکومت قائم کی اور فنیقیوں نے بحرِ روم کے ساحل پر ایک بحری تمدن کی بنیاد ڈالی مغربی مورخین کے نزدیک چین اور ہندوستان کی تاریخ کا دو ہزار سال ق م سے پتہ چلتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس اندازے میں بہت کچھ ترمیم کی ضرورت ہے۔ چند سال ہوئے پنجاب میں ہڑپا کے نزدیک بعض اثری اکتشافات سے ایسی چیزیں ملی ہیں جن کا زمانہ کئی ہزار سال ق م کا ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند کا تمدن کس قدر قدیم تھا + مصر کا تمدن چار ہزار سال ق م کے قریب شروع ہو کر ہزاروں سال تک نشیب و فراز کے رنگ دیکھتا رہا + حطّی حملہ آوروں نے ۱۹۲۵ء ق م میں اناطولیا کے پہاڑوں سے اُتر کر جنوبی قوموں کو اپنی بربریت کا مزا چکھایا اور ادھر نینوا کی تسخیر کے بعد اہلِ میدیا نے اپنی قوت کا سکّہ چلایا لیکن شمال میں اہلِ لیدیا نے اُنکی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک دیا + ۵۵۳ء ق م میں ایرانیوں نے اپنے بادشاہ سائرس کے تحت میں میدیا والوں کو نیچا دکھایا اور پھر بتدریج تمام اُن قوموں کو جو ان اطراف میں رہتی تھیں اپنے زیرنگیں کر لیا یہاں تک کہ دارا کے عہد میں ایران کی عظیم الشان سلطنت دُنیا میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی + یونانی قوموں نے جب اپنی ہستی کو مٹتا دیکھا تو وہ متحد ہو کر ایرانی فوجوں کے خلاف صف آرا ہو گئیں اس

طرح یونان کی شجاعت نے مغرب کو ایران کی تلوار سے بچایا اور اپنے ملک میں وہ تمدن قائم کیا جس پر روما کی تہذیب نے اپنی بنیاد رکھی اور جس سے دُنیائے یورپ نے درسِ حکمت لیا۔ اسکندریہ نے مغرب کا سرا مشرق سے ملانا چاہا مگر ناکام رہا۔ روما نے ولادتِ مسیح سے پیشتر اور سنِ عیسوی کی پہلی صدیوں میں ایک وسیع منتظم سلطنت انگلستان سے لیکر عرب کے شمال تک قائم کی۔ پانچویں اور چھٹی صدی میں ہونی اور ستلانی قوموں نے اس سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا البتہ قسطنطنیہ اور مغربی ایشیا میں مشرقی شاہنشاہوں نے مدت تک اپنا اقتدار قائم رکھا یہاں تک کہ اسلامی فوجوں نے جنوب کی طرف سے آکر اُن کے علاقے پر حملہ کیا۔

انسانی شائستگی میں مختلف مذاہب نے کیا حصّہ لیا؟

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے قدیم انسان توہمات میں گرفتار تھا۔ ارواح پرستی اجسام پرستی۔ اصنام پرستی ستارہ پرستی آتش پرستی غرض خدا پرستی کے سوا ہر شئے پرستی کا دَور دورہ تھا۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے مذہبی ارتقا کا جو تدریجی خاکہ کھینچا گیا ہے اُس سے ظاہر ہے کہ اک پیغمبر کو بھی کن کن ذہنی مراحل میں سے ہو کر گذرنا پڑا۔ دراصل نوعِ انسان کا بہ ہیئت مجموعی انہیں مدارج میں سے گذرا ہُوا اس مذہبی تاریخ کی صحیح کیفیت جاننے کے لئے ہم عام انسانی تاریخ پر اک غائر نظر ڈالتے ہیں۔

تاریخ کا زمانہ شروع ہونے پر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کے بعض مقامات میں انسانی آبادیاں جنبش میں ہیں۔ بعض تاریخی خوردبینیں پتہ دیتی ہیں کہ وسط ایشیا کے مرتفع میدانوں سے مختلف انسانی نسلیں نقل مکانی کر کے مشرق و مغرب میں نئے مُلکوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور بعض پتہ بتاتی ہیں کہ عرب کے ریگستانوں میں اک ہلچل پیدا ہو رہی ہے اور حامی اور سامی نسلیں وہاں سے نکل کر مصر اور دو آبۂ دجلہ و فرات میں بس رہی ہیں۔ نوعِ انسان کا مسکنِ اول کوئی سا قطعۂ زمین ہو اور ممکن ہے کہ کوئی خاص ایک قطعہ یہ شرف نہ رکھتا ہو بلکہ مختلف قطعات سے ایک ہی وقت میں یا مختلف اوقات میں مختلف نسلیں مختلف اطراف میں چل نکلی ہوں۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حامی نسل کے لوگ سب سے پہلے نکلے۔ انہیں حامیوں میں سے پانچ ہزار سال ق م کے قریب ایک حامی قوم عرب سے نکل کر مصر میں جا متمکن ہُوئی اور اُس نے وہاں کے اصلی باشندوں کو جو غالباً حبشی نسل کے تھے وہاں سے نکال دیا یا غلام بنا لیا۔ چند صدیوں کے بعد مصر میں ہم اک سلطنت دیکھتے ہیں جس نے علم و ہنر میں نمایاں ترقی کی۔ اُن کا فرعون مدتوں اُن کا خدا بنا رہا اور کسی نے سوائے حضرت موسیٰ کے اس زمین میں اُس خدائی کے خلاف حق کی آواز بلند نہ کی۔ موسیٰ اور اُن کی قوم کو فرعون نے مصر سے نکال دیا

اور کفر کی ظلمت پھر ملک پر پہلے کی طرح چھاگئی ۔

حامیوں کے بعد وسط ایشیا سے **یافثی نسل** والے اُٹھے جن میں سے تورانی شمال مشرق کو گئے اور فنی شمال مغرب کو اور ایک جزو نے بحرِ خزر کے جنوب کی طرف جا ڈیرے ڈالے۔ ان میں سے بعض نے میدیا کی بنیاد ڈالی اور بعض نے بابل کے سرسبز میدانوں میں اُتر کر حامی آباد کاروں کو غلام بنایا ۔ اس بابلی تہذیب کا مذہب اک قسم کی فطرتی کثرت پرستی تھا جس میں چاند سورج کے دیوتاؤں کی پُوجا کے ساتھ نفسانیت پروری اور ظلم آرائی کا بازار گرم رہتا تھا ۔

یافثیوں کے بعد **سامیوں** نے اپنا وطن چھوڑا۔ وہ دجلہ فرات کے دوآبے میں آباد ہو گئے اور جب وہ تعداد میں بڑھے تو انہوں نے بابل والوں پر چھاپہ مارا اور اُن کی تہذیب کو تباہ کر کے ایک وسیع سلطنت کی بنیاد رکھی جس میں آس پاس کی سب مملکتیں شامل تھیں ۔ اس اشوری تہذیب کا مذہب آخرکار وحدانیت کے درجے تک پہنچ گیا۔ ان لوگوں کی ایک قوم دُور اُر کے کلدانی علاقے میں جا بسی۔ حضرت ابراہیمؑ اسی قوم سے تھے ۔

آخر میں **یافثیوں** کے وُہ گروہ جنبش میں آئے جو بعد میں ہندوستان میں آریا اور ایران میں ایرانی کہلائے ۔ یہ دونوں وسط ایشیا میں بلخ و بدخشاں کے علاقوں میں مدتوں سے ایک دوسرے کے پاس پاس رہتے آئے تھے ۔ پہلے یہ لوگ مظاہرِ قدرت کی پرستش کرتے تھے۔ جب بتدریج وحشیانہ حالت سے نکل کر بربریت میں داخل ہُوئے تو بجائے انکے چند ہمہ گیر تصوّرات کی عبادت کرنے لگے۔ بعض نے آفتاب کو منبعِ نور و زندگی سمجھ کر اپنی روحانی دنیا کو ظلمت و نور کے خداؤں کی آماجگاہ بنایا۔ بعض نے قدیم تصوّرات کو مجسّم جان کر اُن کی مختلف ہستیاں بنالیں ۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ بجائے قبیلوں اور قوموں کی گروہ بندی کے اُن میں بادشاہت نے اپنا سکّہ جمایا اور اُنکے مذہب میں ایک ذاتِ اعظم کے وجود کا خیال پیدا ہُوا ۔ ان واقعات کے ساتھ آریائی خاندان کی دونوں شاخوں میں ایک زبردست مذہبی جنگ چھڑ گئی جس کا بڑا سبب وہ مذہبی انقلاب تھا جو مغربی آریاؤں میں زرتشت نے پیدا کیا۔ مشرقی مظاہر پرست تھے مغربی حقیقت پرست۔ جنگ کا نتیجہ مغربیوں کے حق میں ہُوا ۔

مشرقی آریاؤں نے اپنا آبائی وطن چھوڑ کر جنوب مشرق کی طرف رُخ کیا اور وہ ہندوستان پر ایک نسلی طوفان کی صورت میں ٹوٹ پڑے۔ صدیوں کے دَوران میں انہوں نے ایک عظیم الشان تمدن قائم کیا جس میں بارہا مدّوجزر کی شان نظر آتی رہی۔ تمدن میں معاشرت میں مذہب میں انہوں نے نمایاں

ترقیاں کیں لیکن دستورِ فطرت کے مطابق امتدادِ زمانہ سے اُنکے کمالات پر زوال کا رنگ چھا گیا + آریا حملہ آور ہند کے اصلی باشندوں سے مطلق میل جول نہ رکھتے تھے کیونکہ اگرچہ یہ لوگ ذاتوں کے سلسلے میں شامل تھے لیکن شودروں کا درجہ حیوانوں سے بہتر نہ تھا بلکہ بعض حیوان تو قابلِ پرستش سمجھے گئے مگر یہ انسان کبھی لائق التفات نہ ہوئے + بعض گھرانوں میں عورت بالخصوص جب وہ بچّوں کی ماں ہوتی تھی تو قابلِ تعظیم سمجھی جاتی تھی لیکن پھر بھی یہ خیال عام تھا کہ نہ صرف اس کی دنیوی زندگی خاوند کی خوشنودی کے لئے ہے بلکہ اُس کی آئندہ بہتری بھی فقط شوہر کے احکام کی بجا آوری پر منحصر ہے + لڑکیوں کے مار دینے کا جیسے عرب میں ویسے ہندوستان میں بھی کہیں کہیں رواج تھا اور ساتویں صدی عیسوی میں بیوہ عورتوں کا خاوند کی چتا پر جل مرنا عام ہو چکا تھا + ایک عورت کا بہت سے شوہروں کی زوجیت میں آنا یا جوئے میں جیتا ہارا جانا کچھ شاذ نہ تھا اور سب سے بڑے مقنّن کا قول تھا کہ عورتوں کو دن رات بندش میں رکھنا لازم ہے۔ دونوں قسم کی کثرتِ ازدواج کا رواج تھا۔ یہاں تک کہ تا حال ایک ہندو جتنی عورتوں سے چاہے شادی کر سکتا ہے +

آریاؤں کا مذہب پہلے پہل قوائے فطرت کی پرستش تھا لیکن بتدریج اُس میں رُوحانیت کے اجزا شامل ہوئے یہانتک کہ اُپنشدوں کی اعلیٰ و پاکیزہ روحانیت جلوہ پاش ہُوئی + ان خیالات کے مطابق خدا نہ صرف ہر شئے میں موجود ہے بلکہ جملہ موجودات کا محافظ اور تمام مخلوقات کا حاکم ہے۔ وہ انسانوں کے دلوں میں رہتا ہے اور آخر کار رُوحوں کو کچھ اس طرح اپنے میں جذب کر لیتا ہے جس طرح سمندر دریاؤں کے پانیوں کو + لیکن یہ پاکیزہ و دلکش تصوّرات مرورِ زمانہ کے ساتھ مکدّر ہو گئے۔ اُپنشدوں کے بعد پرانوں کی ادنیٰ تعلیم اور پرانوں کے بعد تنتروں کے ادنیٰ ترین خیالات کا رواج ہُوا + یہ نظریہ کہ رُوحِ عالیہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے بڑھتے بڑھتے اس خیال میں تبدیل ہو گیا کہ خدا اوتار بن کر زمین پر اُتر آتا ہے + اہلِ ہند بالعموم ایک خدا کے بجائے بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کی عبادت کرتے تھے جن کی طرف بعض وقت نہایت کمینہ حرکات منسوب کی جاتی تھیں + ہندوستان میں مذہبی یکسانیت نہ تھی کیونکہ اک خاص طے شدہ مذہب نہ تھا جس کے احکام و قواعد پر کاربند ہو کر چھوٹے بڑے ایک رُوحانی رشتے میں منسلک ہو جاتے + ایک طرف اُپنشدوں اور بھگوت گیتا کے فلسفی مُصنّفین کی فلک پیمائیاں تھیں دوسری طرف عوام میں کرشنا پوجا اور کالی ماتا کی پرستش رائج تھی۔ ہند کے اصلی باشندوں کی اشیاء پرستی کا اثر بھی ہُوا۔ پُرانی مظاہر پرستی چھوٹ کر سکنی پوجا اور بعض دیوتاؤں کی شہوت رانی کی کہانیاں عام ہُوئیں اور ویدک زمانے میں تو انسانی قربانی (پرش میدھ)

کا دستور بھی ہُوا + کامل دھرم نجات کا ذریعہ قرار پایا اور رہبانیت اپنی انتہائی صورتوں میں ظاہر ہُوئی + برسوں جنگل میں بیٹھے رہنا اور نظر جسم کے ایک خاص حصّے پر اور دل کرشنا کے تصوّر میں جمائے رکھنا یا برسوں ایک ہی ٹانگ پر کھڑے رہنا اس قسم کی ریاضت روحانیت کی سب سے اعلیٰ شکل مانی گئی + تناسخ کے مسئلے کا مفہوم یہ تھا کہ جس طرح اچھے کاموں سے انسان فرشتہ بن جاتا ہے اسی طرح بُرے کاموں سے وہ پھر حیوان بن سکتا ہے +

ہندوستان کی مشہور ترین رزمیہ نظموں رامائن اور مہابھارت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے - کہ ہندوؤں کا معیارِ معاشرت کس قدر بلند اور علم و فن میں اُن کی ترقیاں کیسی تھیں لیکن یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اُنکے اخلاق کسی قدر پست ہو چکے تھے + عوام کا مذہب محض قربانیوں اور رسموں کا اُن طریقوں میں ادا کرنا تھا جن کے صحیح علم کے مالک صرف پنڈت تھے بلکہ ان پنڈتوں کی ہدایت و شرکت کے بغیر مذہبی فرائض ادا ہی نہ ہو سکتے تھے + مہاویرا اور گوتم بدھ نے اس حریت کُشی اور انسانیت سوزی کے خلاف اپنی زبردست آواز بلند کی اور عمل کی خوبی پر زور دے کر ہندوستان کو اک نئے اور سیدھے روحانی شاہراہ پر لگانا چاہا مگر برہمنیت کی قوت نے بہت جلد ان نئے مذاہب کا زور توڑ دیا + بدھ مت میں وہ باتیں نہ تھیں جن سے عوام پر اُس کا رعب پڑتا یا جن سے اُن کا دل بہلتا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ باوجودیکہ دنیاوی حالات نے اک عرصے تک بدھ مت کی مساعدت کی پھر بھی تھوڑی ہی مدت میں اُسے اپنے جنم بھوم سے دیس نکالا ملا + وہ سیلون برما چین اور جاپان میں پھیل گیا لیکن اُس نے ایشیا کے اس حصّے سے باہر قدم نہ رکھا + بدھ مت میں تمام نوعِ انسان کے لئے اک عملی مذہب بننے کی قابلیت کم تھی البتہ اُس کے بعض صوفیانہ نظریات نے مغربی ایشیا اور مصر کے فلسفے پر بہت کچھ اثر ڈالا +

بدھ مت کے اخراج کے ساتھ مذہبی پیشواؤں نے پھر انسانی آزادی کا گلا گھونٹ دیا۔ اور تباہی و نفسانیت کے دیوتاؤں کی پھر سے پرستش ہونے لگی، ناپاک اور ذلیل حرکتیں دیوتاؤں اور نیک لوگوں کی طرف منسوب کی جاتی تھیں اور مندروں میں ناچنے والیاں اپنے رنگ دکھاتی تھیں + بلاشبہ فلسفۂ ویدانت کی وحدانیت پاکیزہ اور اس کی منطق آرائیاں دلکش و عقل پرور تھیں - ہندوؤں کے انکسار و راست گوئی کی یونانی حملہ آوروں نے بھی تعریف کی ہے لیکن مذہبی و معاشرتی حیثیت سے عوام بندشوں میں گرفتار اور آلائشوں میں منہمک تھے + اشیاء پرستی کا پہلے سے بڑھ کر دور دورہ ہُوا۔ پُرانے

دیوتاؤں اور بزرگوں کے ساتھ درختوں پتھروں اور دوسری بے جان چیزوں کی پرستش بھی ہونے لگی۔ بعض لوگوں نے فلسفۂ الوہیت کے راز کو سمجھا لیکن آریاؤں کا قدیم سادہ مذہب بالعموم پروہتوں کی حکومت اور ذات پات کی سنگین و سخت تفریق میں مبتلا ہو کر بے حس وحرکت ہو گیا۔ ہندومت میں ہر قسم کے خیالات کی اشاعت تھی۔ خدارسیدہ فلسفیوں اور تارک الدنیا جوگیوں سے لیکر اجسام پرست اور مغلظات پرست لوگ بھی اُس میں شامل تھے۔ اس میں فلسفیانہ دقتیں اور عامیانہ اُلجھنیں پہلو بہ پہلو موجود تھیں۔ خواص میں اچھے خیالوں اور اچھی باتوں کی کمی نہ تھی لیکن وہ عوام کو بُرے خیالوں اور بُری باتوں سے روکنا ضروری نہ سمجھتے تھے بلکہ اُن میں سے اکثر کا خیال تھا کہ یہ لوگ انہیں باتوں کے اہل ہیں اور یہ باتیں انہیں لوگوں کے لئے بنی ہیں۔ اصولِ مذہب میں ہمہ گیری کی صفت ضروری نہ سمجھی گئی ٭

یہ تھے آریاؤں کے گذشتہ کارنامے اور یہ تھی ساتویں صدی عیسوی میں اُنکی حالت۔ اُدھر ایرانیوں کی تاریخ بھی کم دلچسپ نہیں ٭ وسط ایشیا سے نکل کر وہ افغانستان و ایران میں پھیلے۔ بحر خزر کے جنوب میں پہنچ کر وہ تورانیوں سے برسرِ پیکار تھے کہ اشور والوں نے اُن کو آدبایا۔ ضحاک کے ان مظالم سے وہ لوگ مدتوں پیچ و تاب کھاتے رہے۔ آخر فریدوں کی تلوار نے نینوا کی سلطنت کو اُلٹ دیا ٭ ایرانی گاہے گاہے اپنی تورانی رعایا سے لڑتے بھڑتے رہے لیکن تورانیوں کے خیالات نے اُنکے مذہب پر خاصا اثر ڈالا یہاں تک کہ ارمزد کے ساتھ اہرمن کی بھی عبادت ہونے لگی ٭

میدیا اور بابل والے مل کر اشوریوں پر جا پڑے اور اُنکی سلطنت پر قابض ہو گئے۔ اشوری تباہ ہو گئے لیکن انکے مذہب کا مجوسیوں کے مذہب پر یہ اثر ہُوا کہ خدائے ارمزد اب بہت سے مصاحبوں اور حواریوں کے حلقے میں نظر آنے لگا ٭ بابل پھر ایشیائی تہذیب کا مامن بنا اور اُس کے مذہبی اعتقادات نے قدیم بے ربط مذاہب اور موجودہ منتظم مذاہب کے درمیان آکر اک کڑی کا کام دیا ٭ بنوشدنزار کی سلطنت بڑھی۔ یہودیہ فتح ہُوا اور یہودیوں کی ساری قوم غلام بن کر بابل کی ندیوں کے کنارے اپنی گذشتہ عظمت کا رونا رونے لگی۔ آخر کار جب وہ آزاد ہو کر اپنے وطن کو واپس گئے تو اُن کے مذہبی اور سیاسی خیالات میں اک معتد بہ فرق پڑ گیا تھا ٭ ایرانیوں نے بابل کو مسخر کیا اور یہودیوں کی دعائیں لیں ٭ اب ثنویت کے مذہب نے ایشیا پر اپنی حکمرانی کا جال بچھایا۔ مجوسیت کا اثر یہودیت پر پڑا یہودیت کا مجوسیت پر۔ مجوسیوں نے یہودیوں سے ذات خدا کا

سبق پڑھا یہودیوں نے مجوسیوں سے آسمانی مصاحبوں (فرشتوں) کی موجودگی اور خیر و شر کے دوگانہ اصول (یہودا و شیطان) کی کیفیت معلوم کی ؛

جب دارا تخت نشین ہُوا تو اُس نے کوشش کی کہ مذہب کی اصلاح کرے لیکن ناکام رہا۔ مجوسیت روز بروز بد سے بدتر ہوگئی ایرانی مذہب پر سامی رعایا کے خداؤں کا اثر پڑا۔ پُرانی عناصر پرستی پھر تازہ ہُوئی اور عبادات میں شہوات کا رنگ جھلکنے لگا + عورت کا درجہ اس قدر ذلیل ہُوا کہ شاید انسانی تاریخ میں کبھی نہ ہُوا ہوگا مرد اپنی قریب ترین عزیزہ یہانتک کہ اپنی بہن تک سے شادی کر سکتا تھا اور جب چاہتا اُسے طلاق دے سکتا تھا عورتوں کو الگ حرم سراؤں میں رکھنے کا دستور تھا اور اُن پر خواجہ سرا متعین کئے جاتے تھے + اُنکے حقوق طے شدہ نہ تھے۔ کثرتِ ازدواج کے لئے کوئی حد مقرر نہ تھی + اسکندر کے حملے کے ساتھ یونانی ایران کے سب اطراف میں پھیل گئے۔ ایرانی تمدن فاتحین کے گھوڑوں کے سموں تلے روندا گیا اور مجوسیت کا اثر ملیا میٹ ہو گیا + اسکندر کی طبیعت خیر و شر کے اضداد کا مجموعہ تھی۔ اس کی فتوحات میں اُس کی فطرت کا عکس موجود تھا۔ اُس کا مدعا ایشیا کو یونان کے رنگ میں رنگنا تھا + لیکن ایشیا یونان کے علم و فضل سے بہرہ ور نہ ہُوا بلکہ یونانی و کلدانی تمدن کی اکثر بُرائیاں اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئیں سلوسیدی پارتھی اور باختری حکومتوں کے دوران میں مجوسیوں اور یہودیوں پر مذہبی تشدد روا رکھا گیا ساسانیوں کا عہد آیا تو مجوسیت نے ہوش سنبھالا۔ ایرانی صدیوں تک قوت و تمدن کے میدان میں روما کے مدِمقابل بنے رہے لیکن دنیاوی ترقی کے ساتھ مجوسیت کو اخلاقی و مذہبی فروغ حاصل نہ ہُوا + "مجوسیت کی آگ یوں تو مندروں کی بلند قربان گاہوں پر فروزاں تھی لیکن لوگوں کے دلوں میں اُس کے شعلے سرد پڑ چکے تھے" + آخری ساسانیوں کے عہد میں مذہبی فرقوں کی جنگ آرائیاں بادشاہوں کی عشرتیں اُمرا کی ذلیل حرکتیں مذہبی پیشواؤں کی نخوت انتہا کو پہنچ گئی + بادشاہ خداوند تھے اور اپنی رعایا کے جان و مال کے مطلق العنان مالک۔ رعایا اپنی غلامی میں بے بس تھی اور اُسکی اخلاقی حالت اس کی مادی حالت سے کچھ بہتر نہ تھی + چھٹی صدی عیسوی میں مزدک نے اپنے اس عقیدے کی اشاعت کی کہ عورتوں کو اور مال و دولت کو مشترک طور پر استعمال کرنا چاہیئے۔ رہبانیت کے متعلق مجوسیوں کا خیال تھا۔ کہ کائنات میں نور و ظلمت کے خدا ایک دوسرے کے ساتھ مصروفِ پیکار ہیں اور یہ جنگ جاری رہیگی حتیٰ کہ نور ظلمت پر غالب آجائے + وہ نہ صرف ارمزد کی عبادت کرتے تھے بلکہ زمین و آسمان تارے درخت حیوان ان بے بس ہستیوں کی مدد کے محتاج بھی تھے + اُن کی نمازیں محض لفاظیاں تھیں بعض فقروں کو بارہ سو دفعہ دہرایا

جاتا تھا۔ عبادت میں وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کے دست نگر تھے اور اُن کی عبادت دو طرح کی تھی ایک عام دوسری مخفی جس کا علم عوام کو نہ ہو سکتا تھا۔ مجوسی دوزخ بہشت کے علاوہ "چنواد" کے خوفناک پُل کے بھی قائل تھے۔ اُنکا ایمان تھا کہ نیک کام کرنے والے بہشت میں اور بُرے کام کرنے والے دوزخ میں جائینگے۔ آخری ساسانیوں کی اس اخلاقی و مذہبی تاریکی میں کسریٰ نوشیرواں کی روشنی تھوڑی دیر کے لئے چمکی مگر اُسکے جانے کے ساتھ سیاسی حالت بھی ایسی ہی پست و ذلیل ہو گئی جیسی کہ مذہبی زندگی۔

ظہورِ مسیح کے وقت **یہودیوں** کو بابل کی قید سے رہائی پائے گیارہ صدیاں گذر چکی تھیں۔ رومانے اُنکے معبد گرا دیئے تھے اور اُنکی قوم کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا مگر اُنھوں نے ان مصائب میں بھی اخلاق و انسانیت کا سبق نہ سیکھا۔ اُن کا غرور اُن کے دل کی بدنیتی اُن کی فریب کاریاں کم نہ ہوئی تھیں نہ ہوئیں۔ وہ جو کبھی وحدانیت کے علم بردار تھے اُن پر شرک کا رنگ غالب آگیا۔ عوام "ترافم" کی پرستش کرتے تھے جو ایک نوع کے خانہ ساز خدا تھے۔ عرب کے یہودیوں نے کعبے میں موسیٰ کا بُت کھڑا کر رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کافر قوموں کے مذہب و فلسفہ نے اُنکے خیالات کو ناپاک کر دیا تھا۔ وہ اپنے کاہنوں اور ربیوں کے پنجے میں گرفتار تھے۔ صرف یہی لوگ قوانین و رسوم کے امین ہوتے تھے یہ خدا کے خاص بندے سمجھے جاتے تھے اور پیشین گوئی کی طاقت بھی انہیں کو عطا کی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ کے قوانین میں طریقۂ نماز کا ذکر نہ تھا رواجاً جو طریقہ جاری ہوا اس سے یہودی فقط اک لمبی لمبی نمازیں پڑھنے والی قوم بن گئے۔ سزا و جزا کے مسائل انھوں نے مجوسیوں سے سیکھے اور دوزخ بہشت کی کہانیاں بھی انھوں نے زرتشت کے مذہب ہی سے نقل کیں اور اُن پر اپنی طرف سے طرح طرح کے حاشیے چڑھائے۔ کثرتِ ازدواج اور غلامی اُن میں عام طور پر رائج تھیں۔ یہودی غلام چھ سال کی غلامی کے بعد آزادی حاصل کر سکتا تھا لیکن غیر یہودی کی غلامی دائمی سمجھی جاتی تھی۔ عورت کا درجہ اُن کے ہاں پست تھا۔ ایک ایسے مسیح کی آمد آمد کا اُن میں چرچا تھا جو اُنکی قوم کو از سرِ نو زندہ و قوی بنا دیگا۔ لیکن جب حضرت عیسیٰ نے آکر اُنہیں ہدایت کی تو انھوں نے سابق پیغمبروں کی طرح اُلٹا انہیں جھٹلایا اور اُنکی جان کے پیچھے پڑ گئے۔

حضرت عیسیٰ خود غریب تھے اُنکی تعلیم و تلقین بھی غریبوں کے طبقے میں ہوئی۔ یہودیوں کی قوم غرور و تعصب کا شکار تھی سلطنتِ روما کی عام معاشرتی و اخلاقی حالت نہایت خستہ تھی۔ خدا نے ان لوگوں کے درمیان اُنکی اصلاحِ اخلاق کے لئے اک ایسے پیغمبر کو بھیجا جو ہمہ تن انکسار تھا لیکن امیروں نے اُسے حقارت سے دیکھا اور زبردستوں نے اُسے اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالا۔ اُس کے پیرؤں نے اُسے ہمیشہ اپنے ہی جیسا اک جیتا جاگتا

چلتا پھرتا انسان سمجھا۔ البتہ پال نے جو مسیح کی زندگی میں اُس سے مُنکر رہا اُس کی موت کے بعد اپنے ذاتی تصوّرات کی بنا پر اُسکے خاکی وجود کو اک آسمانی اور غیر محسوس ہستی بنا دیا۔ پال کے دل پر بُدھ مت اور مجوسیت کی پیشنگوئیوں کا اثر تھا۔ بالخصوص اہلِ مصر و شام کے فلسفیانہ و صوفیانہ نظریات سے وہ بیحد متاثر ہُوا اور اُس نے اک چنگے بھلے انسان کو ربّانی جامہ پہنا کر دُنیا کے سامنے پیش کر دیا +

عیسائیت سلطنتِ روما میں **پھیلی**۔ اسکی اشاعت کے کئی اسباب تھے + مسیح پہلا شخص تھا جس نے دنیا میں علی الاعلان کہا کہ سب آدمی برابر ہیں اور اُسی نے غریبوں اور غمزدوں کو اک آسمانی بادشاہت کی بشارت دی + کُفریوں بھی کوئی منتظم مذہب نہ تھا۔ اُسکے کوئی پادری پنڈت نہ تھے جو اُسے برقرار رکھنا اپنے لئے ذریعہ معاش سمجھتے اور اُس کی رسومات لوگوں کے لئے تسکین دہ نہ تھیں + علاوہ بریں فلسفہ و حکمت کو بہت کچھ فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ متمدن و تعلیم یافتہ لوگ دنیا و ما فیہا کی کُنہ دریافت کرنے کے درپے تھے اور اُنکے دلوں میں اک خاموش ہیجان برپا تھا جو کسی سکونِ روحانی کا متلاشی تھا + ان وجوہات کی بنا پر اور اُس مذہبی نارواداری کے باعث بھی جو بعض حکمرانوں نے اسکے خلاف روا رکھی عیسائیت بہت جلد مغربی ایشیا اور یورپ میں پھیل گئی + پھر جب قسطنطین اور دیگر مغربی حکمرانوں نے اُسے اختیار کیا اور بعد میں جب شارلمین اعظم کی تلوار نے جرمنی میں اشاعتِ مذہب کی خاطر خون کی ندیاں بہا دیں تو عیسائیت "الناس علیٰ دینِ ملوکہم" کی زندہ مثال بن گئی +

عیسائیت کے پھیلنے کے ساتھ **عیسائی** تھوڑے ہی عرصے میں **مختلف فرقوں اور گروہوں میں منقسم** ہو گئے + مسیح کی زندگی کے بہت کم حالات معلوم تھے لہذا اُن میں رنگ آمیزی کرنا نہایت آسان کام تھا۔ اور اُنکے متعلق اختلافات کا پیدا ہو جانا بھی اک قدرتی امر تھا +

پہلی صدی عیسوی میں سرنتھس نے اُن نظریات کی تلقین کی جن کے مطابق آسمانی باپ اور مقدس بیٹے کی پرستش جاری ہوئی +

دوسری صدی کی فرقہ آرائیوں میں نہ صرف کلیسا کی جدتیں رُونما ہُوئیں بلکہ عیسائیت پر مجوسیتِ جدید نیشا غورثیت اور قدیم کلدانی صابئیت کے اثرات بھی ظاہر ہونے لگے + مارسینوں نے کہا کہ خیر و شر کے اصولِ کائنات میں برسر پیکار ہیں اور اصولِ عالیہ نے اپنے لختِ جگر یسوع مسیح کو انسانی ارواح کی نجات کیلئے بھیجا ہے + ولنتینوں نے کہا کہ خدائے ذوالجلال کے بیٹے یسوع کا جسم اصلی نہ تھا بلکہ آسمانی اور ہوائی تھا اور وہ زمین پر تاریکی

کے شہزادے کو شکست دینے کے لئے آیا تھا + مصری آفیوں کا خیال تھا کہ خود مسیح ہی وہ سانپ تھا جس نے بہشت میں آدم و حوا کو دھوکے میں ڈالا + یونانیوں نے کہا کہ باپ بیٹا اور رُوح القدس تینوں ایک ہیں اور اُن میں تمیز کرنا ناممکن ہے + ایک شخص منتانوس نامی نے دعوےٰ کیا کہ میں وہ فارقلیط ہوں جس کی مسیح نے خبر دی تھی + ایران میں مانی اُٹھا اور اُس کی نکتہ چینیوں نے مذاہب کے پرخچے اُڑا دیئے اُس نے کہا کہ گو مسیح کو بظاہر سولی پر چڑھایا گیا لیکن دراصل وہ رہا ہو کر آفتاب میں اپنے تخت کی طرف ہجرت کر گیا + مانی کے بعض نظریات مسیحیت کا جزو بن گئے اور اُس کی تعلیمات کا لوگوں کے عقاید پر معتد بہ اثر پڑا +

تیسری صدی کے وسط میں سبلیوں نے کہا کہ مسیح محض ایک آدمی تھا لیکن آسمانی باپ کا اک خاص جوہر اُس کی طبیعت میں شامل ہو گیا +

چوتھی صدی کے شروع میں اریجن نے ربّانی وجود میں تین ممیز شخصیتوں کے ملاپ پر زور دیا مگر آریس نے صاف صاف کہہ دیا کہ مسیح کی شخصیت کا جوہر ربّانی جوہر سے قطعی الگ ہے اس صدق گوئی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی افریقہ و مصر میں اُس کے بہت سے معتقد پیدا ہو گئے اور مسیحیت میں ایک سخت مناقشہ برپا ہو گیا +

اہلِ کلیسا نے وقتاً فوقتاً مسیحی مذہبی مجالس میں تثلیث کے پیچیدہ مسئلے کی گتھیوں کو سلجھانا چاہا ۳۲۵ء میں مجلس نیس نے آریس کے نظریے کو کُفر کہہ کر مسیح اور آسمانی باپ کو متحد قرار دیا + مجلس فیسس نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ مسیح کی شخصیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں خدا کرے اُنکے جسم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں + مجلسِ کلسیدان نے حکم صادر کیا کہ مسیح کی شخصیت ایک ہے مگر طبیعتیں دو ہیں +

منفیزیوں اور نسطوریوں نے اس نظریہ تجسّم کے خلاف آواز بلند کرنی چاہی مگر مذہبی تشدّد نے اُن کے منہ خاک سے بھر دئے اور عیسائیت کے گرجاؤں میں خون کی ندیاں رواں ہو گئیں ۶۲۳ء میں ہرقل نے منتھیلیوں کے فرقے کی بنیاد ڈالی مگر اس سے بجائے امن کے فتنہ و فساد کی آگ اور بھڑکی اور مسیحیت کی دُنیا پر بے اطمینانی کے بادل چھا گئے +

جس طرح مسیح کی زندگی کے بہت کم حالات معلوم تھے اور اُس کی ذات کے متعلق یہ اختلافات پیدا ہوئے اسی طرح مسیح نے مذہب و معاشرت کے بہت کم مسئلوں پر روشنی ڈالی تھی اور شاذ و نادر

ہی کوئی قواعد مقرر کئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت کی کشتی بہت جلد دُنیا کے سمندر میں ڈانواں ڈول ہونے لگی۔ عیسائیت مسیح کی تعلیمات کے علاوہ جدید فیثاغورثیت افلاطونیت اور یہودی و یونانی فلسفہ آمیز۔یوں کا مرکب بن گئی۔ حضرت عیسیٰ نے نماز کا صحیح مفہوم اپنے پیروؤں کو سمجھا دیا مگر چونکہ کوئی قواعد فروعات نہ چھوڑے عوام کے لئے بجز اس کے چارۂ کار نہ تھا کہ ان معاملات میں پادریوں اور مذہبی مجلسوں کی ہدایات پر چلیں اور یہ ہدایات کبھی کچھ ہوتیں کبھی کچھ۔ ادھر ابو کسلان راہب چوبیس گھنٹے اپنی تسبیحیں پھیرتے رہتے اُدھر عوام صرف ہفتے میں ایک دن گرجے جا کر مذہبی فرائض کی فرضی حجت پُوری کر آتے۔

کُفر مٹ چکا تھا عیسائیت کا مغرب میں چاروں طرف بول بالا تھا لیکن مقامِ عبرت تھا کہ بجائے فرار و امن کے مسیح کا مذہب مذہبی تنازعات اور فرقہ وارانہ جنگ آرائیوں کا موجب بن گیا۔ پادریوں کی زندگی عیش و تنعم کبر و نخوت اور نشاط بندی کی زندگی تھی۔ راہب دُنیا کو چھوڑ کر دُنیاوی حظائظ میں منہمک تھے۔ عوام کے خیالات و اعتقادات حالتِ کُفر سے کچھ زیادہ آگے نہ بڑھے تھے۔ مُردوں کی رُوحوں کی پرستش اور اُن کی مورتیوں کی پُوجا رائج تھی۔ اولیا پرستی اور تبرک پرستی کے معنی مسیحیت تھے۔ رواداری نام کو باقی نہ تھی۔ ذاتی اعتقادات اور ذاتی خیالات مذہبی جور و ظلم کے نیچے پس چکے تھے۔ شراب خواری۔ قمار بازی اور دیگر ناگفتہ بہ بدیاں اپنے زوروں پر تھیں۔ مشہور مصنف دوزی نے حضرت علی کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ بنی تغلب نے عیسائیت سے سوائے شراب خواری کے اَور کچھ نہ سیکھا۔ علم و فضل کی نسبت گبن کہتا ہے کہ اگر جیسا کہ کہا جاتا ہے اسکندریہ کا کتب خانہ واقعی حضرت عمرؓ ہی کے حکم سے جلایا گیا۔ اور اس کی آگ سے چھ ماہ تک حمام گرم کئے گئے تو ان لغو کتابوں کا اس سے بہتر مصرف اَور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔" سر ولیم میور لکھتا ہے "ساتویں صدی کی عیسائیت خود خراب وخستہ اور گری ہوئی تھی مختلف فرقوں کے مباحثات و مناقشات نے اُسے نکما بنا دیا تھا اور ابتدائی زمانے کے پاک وصاف اعتقادات کی جگہ توہمات کا دور دورہ تھا"۔

قسطنطنیہ اسکندریہ اور روما کے گلی کوچے اکثر پادریوں کی سرکشیوں کے باعث قتل و غارت کا بازار بنے رہتے تھے۔ اسکندریہ میں حسین ہپاشیا کو دن دہاڑے سر بازار برہنہ کیا گیا اور اُسے ایک گرجا میں گھسیٹ کر اُس عیسائی نے قتل کیا جسے ساری مسیحیت نے بعد میں ولی کا لقب دیا۔ قسطنطنیہ

مین جسٹنطین کے عہدِ حکومت میں جسے آجتک یورپ فخر کے ساتھ یاد کرتا ہے ایسی ایسی شرمناک کارروائیاں ہوئیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ تھیوڈورا ایک فاحشہ عورت قیصر کے ساتھ سریرآرائے سلطنت تھی۔ پیغمبرِ اسلام کے اوائل عمر کے زمانے میں قسطنطنیہ میں ایک شریف ترین قیصر بیرحمی کے ساتھ قتل کیا گیا اُسکے بعد اُسکے بیوی بچے تہ تیغ ہوئے اُسکے دوست مددگار پکڑے گئے اُنکی آنکھیں چھیدی گئیں زبانیں اکھاڑی گئیں اور ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے۔ گبن کہتا ہے کہ "جلدی سے مرسکنا اک ایسی نعمت تھی جو شاذونادر ہی اُن کے نصیب میں ہوتی"۔

معاشرت کی بہتری اور حقوقِ نسواں کی نگہداشت میں عیسائی دُنیا نے کوئی نمایاں بات کرکے نہ دکھائی تھی۔ کثرتِ ازدواج جسے خالص مشرقی رواج سمجھا جاتا ہے مغرب میں بھی پایا جاتا تھا۔ پرانے یونانیوں کے ہاں ایتھنز میں عورت ایک شئے مملوکہ تھی۔ مرد جب چاہے اُسے طلاق دے سکتا تھا اور جتنی عورتوں سے چاہے شادی کرسکتا تھا۔ اہلِ سپارٹا کے ہاں اُلٹی گنگا بہتی تھی وہاں ایک عورت جتنے مردوں سے جی میں آئے شادی کرسکتی تھی۔ مملکتِ روما میں گو واقعی کثرتِ ازدواج کی ممانعت تھی مگر جوں جوں عیش وتنعم بڑھتا گیا۔ شادی کی صورت مسخ ہوتی گئی۔ عورتوں کی آزادی حد سے بڑھ گئی اور لونڈیاں رکھنے اور بیویاں تبدیل کرنے کا دستور رائج ہُوا۔ یا تو قدیم روما میں مردوں کو یہاں تک اختیار تھا کہ اپنی بیویوں کو قتل کردیں یا تمدن کی ترقی کے ساتھ اب یہ حالت ہوگئی کہ طرفین بے سوچے سمجھے ایک دوسرے کو طلاقیں دیدیتے۔ بتدریج کثرتِ ازدواج کی لت بھی پڑگئی۔ مسیحی شاہنشاہ جسٹنطنین نے جس کا مشیرِ اعظم ایک دہریہ کافر تھا اس رواج کو قانوناً بند کردیا لیکن دراصل یہ صدیوں بعد یورپ میں تھوڑا بہت قائم رہا۔ بیویوں کے حقوق مقرر نہ تھے۔ پہلی بیوی کے علاوہ باقیوں کے بچے ناجائز سمجھے جاتے تھے۔ امرا اور پادری مزید مخفی شادیوں سے بھی لُطف اُٹھاتے تھے۔ سنیٹ آگستائین اور جرمن مصلحین بھی کثرتِ ازدواج کو بند نہ کرسکے۔ شاہنشاہ قسطنطنین اور اُسکے فرزندِ ارجمند نے متعدد شادیاں کیں۔ ویلن ٹنی ان نے اس رواج کو بند نہ کیا بعد کے کئی حکمران خود اس سے فائدہ اُٹھاتے رہے نتیجۃً عوام پر بھی مدتوں جسطنطنین کے قانون کا زیادہ اثر نہ ہُوا۔ مغربی یورپ کے بادشاہوں نے کئی کئی شادیاں کیں اور بیچاری رعایا نے عملاً اُن کی داددی۔ ہاں غریب پادریوں کو اتنی روک ضرور تھی کہ وہ بغیر اپنے اسقف کے اجازت نامہ کے ناجائز شادی نہ کرسکتے تھے۔ غرض عام طور پر مسیحی دُنیا میں عورتوں کی حالت زبون تھی۔ اُن کی فطرت کی کجی اور اُنکے اخلاق کی بُرائی زبان زدِ خلائق تھی۔ فرقۂ پروٹسٹنٹ نے اپنی اصلاحات

پیش کیں لیکن اُن میں عورتوں کا حصّہ نہ تھا۔ یورپ نے عورتوں کے ساتھ "بہادرانہ برتاؤ" کرنا کہاں سے سیکھا۔ اُنہیں عربوں سے جن کے پیغمبر نے انہیں حقوقِ نسواں کی پاسداری سکھائی تھی۔ "بہادرانہ برتاؤ" کا زمانہ آٹھویں سے چودھویں صدی تک وہی وقت تھا جب عرب ہسپانیہ پر مسلّط تھے ۔

غلامی جسے آج بعض متعصب غیر مُسلم اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں یورپ میں صدیوں تک رائج رہی۔ مزارعین اور ارضی غلاموں کے فرائض ہی فرائض تھے۔ حقوق کا نام لینا اُنکے لئے گناہ تھا۔ یہ لوگ اپنی زمینوں کے ساتھ وابستہ تھے جن کے متعلق انہیں مطلق اختیار نہ تھا۔ خود کلیسا غلاموں کی خدمت سے متمتع ہوتا تھا۔ شمالی امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں صدیوں تک غلاموں پر وہ ظلم ہُوا کئے جن کے ذکر سے انسان کی روح کانپ اُٹھتی ہے ۔

ایشیائے کوچک اور نواحی ملکوں کو ایرانیوں اور رومیوں نے بار ہا یکے بعد دیگرے تباہ و برباد کیا یہاں تک کہ وہاں کی مذہبی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔ مصر و شمالی افریقہ میں مسیحی فتوحات نے کسی قسم کی اخلاقی و معاشرتی زندگی کا نشان تک نہ چھوڑا۔ ہسپانیہ میں اُمرا اور پادری گلچھرے اُڑاتے تھے۔ یہودیوں کو وہاں مذہبی آزادی حاصل نہ تھی اور عوام الناس کا درجہ فی الواقع غلاموں سے بدتر تھا ۔

پانچویں صدی میں ہُونی لوگوں نے سلطنتِ روما کا شمالی اور مشرقی حصہ بالکل پامال کر دیا اور "خاقانوں کی سلطنت" کے نام سے ایک زبردست حکومت قائم کر لی ۔ چھٹی صدی میں سلافی قوم چھاپے مارتی ہُوئی قسطنطنیہ کے دروازوں تک آ پہنچی ۔ ان لوگوں نے کسی قسم کے تمدن کی بنیاد نہ ڈالی بلکہ رہی سہی تہذیب کو بھی نیست و نابود کر دیا ۔

عربوں کو جب قدرت نے طاقت عطا کی تو انہوں نے اُس زبردست تمدن کی بُنیاد قائم کی جس کے کھنڈروں میں آج موجودہ تہذیب کا قصرِ عالی شان کھڑا نظر آتا ہے ۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ **بانیٔ اسلام کے ظہور سے پہلے** دُنیا کے تمدن میں **مختلف مذاہب** نے کیا حِصّہ لیا اور اشاعتِ اسلام کے وقت تاریک ملکِ عرب کے باہر اطرافِ عالم میں روحانی روشنیاں کیسی مدھم پڑ چکی تھیں ۔

قدیم **بابل** میں کثرت پرستی اور نفسانیت کا دَور دورہ تھا۔ **اشوروالوں** کے گھر میں تھوڑی دیر وحدانیت کی شمع جھلملائی لیکن ابراہیمی دین کی جھلک کے ساتھ اشوری سفاکیاں بھی نظر آتی رہیں ۔

اجسام پرست **مصری** جنہوں نے ہیئت اور مساحت نقاشی اور حکمت اور تجارت اور جہاز رانی میں حیرت انگیز ایجادیں کیں اُن کا فرعون خدائی کا دعوے دار تھا اور وہ ایک خدا کو تین خدا سمجھے ہوئے تھے۔ وہ پہلے لوگ تھے جو حیات بعد الموت میں اعتقاد رکھتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ مر اُٹھنے کے بعد انسان سورج کی معیت میں اک نئی زندگی بسر کرتا ہے۔ اُنکے جادوگروں نے موسیٰ کی پیغمبری کو طلسم باطل سے جھٹلانا چاہا اور آخر کار دین الٰہی کو وادیٔ نیل سے نکلنا ہی پڑا۔

ہندوستان میں آریاؤں نے اک شاندار تمدن قائم کیا۔ اُن کا فلسفہ معراج ترقی پر پہنچا اُنکے اخلاق پر انکسار و ایثار نے اپنا صیقل کیا کبھی کبھی اُنکے ہاں زبردست سلطنتیں بھی قائم ہوئیں لیکن اُن کا مذہب کچھ دیر ترقی پاکر بہت جلد برہمنوں کے احترام جانوروں کی پوجا اور بتوں کی پرستش میں تبدیل ہوکر رہ گیا۔

چین۔ اپنے حملہ آوروں کا قبرستان تھا۔ مادی حیثیت سے اہل چین کی ترقی بارود کمپاس اور چھاپہ کی ایجاد سے ظاہر ہے لیکن اُن کی علمی مذہبی حالت نہایت کمزور تھی چنانچہ اُنکی عبادت کا اک اہم جزو بزرگ پرستی تھا۔ کنفیوشس کی تعلیم نیکی پر مبنی تھی مگر وہ حیات و ممات کی گتھی کو نہ سلجھا سکا اور نہ اُس نے کوئی ایسا راستہ بتایا جس سے بھولا بھٹکا انسان اپنے خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔

ایران۔ ہمیشہ آتش کا پرستار اور نور و ظلمت کے جھگڑوں میں گرفتار رہا۔

یونان۔ حکمت و فلسفہ کا گھر تھا لیکن مذہب میں دیوتا پرستی و بزرگ پرستی کے درجے سے آگے اگر بڑھا تو اتنا کہ تین خداؤں پر ایمان لے آیا۔ جس سرزمین نے افلاطون و ارسطو کو پیدا کیا اُسکے فرزند آرکیل کی فریب کار پیشین گوئیوں کے معتقد تھے۔ اسکندر رنگین تخیل مشرق کو اسی لئے یونانیت کے رنگ میں نہ رنگ سکا کہ یونانی تمدن مذہب کے رنگ سے عاری ہونے کے باعث خود بے رنگ تھا۔

روم۔ جس کی تلوار نے انگلستان سے لیکر عراق اور ہسپانیہ سے لے کر جرمنی تک کی دُنیا کو تسخیر کرلیا تھا اور جس کے دماغ کی قانون آفرینی نے قدیم و موجودہ تہذیب کے انضباط میں بڑا کام کیا اُس نے نہ یونان کی طرح علم و حکمت میں کچھ جدت دکھائی نہ مذہب کی راہ میں کوئی قدم بڑھایا۔ اُس کا مذہب اگر کچھ تھا تو اک مختصر سا بے معنی کفر جو فقط بعض انسانی بہادروں کے قصّوں اور چند آسمانی دیوتاؤں کی کہانیوں پر مشتمل تھا۔

یہودی۔ جن کی طرف خدا نے داؤدؑ و سلیمانؑ جیسے پیغمبر بھیج کر اُن کو دُنیا کی اور قوموں سے ممتاز کیا۔ اس امتیاز کا شکر صرف اپنی سرکشی اور نافرمانی سے ادا کر سکے۔ وحدانیت کو جو کبھی خاص اُن کا حصہ تھی وہ تثلیث و

شرک کے اثر سے نہ بچا سکے ◆

مسیح۔ جو امن، طمانیت اور ایثار و برکت کا پیغام لے کر آیا تھا اُس کا کیا حشر ہُوا ◆ پہلی صدی عیسوی ہی میں اُس کے پیرو اُس کی ذات کے متعلق لڑنے جھگڑنے لگے اور معبد کی ہر صدی میں وہی اُنکی فرقہ بندیوں اور خانہ جنگیوں کا بڑا سبب ٹھہری ◆ تین میں ایک ایک میں تین کی بحثوں میں عیسائی قوموں کی رُوحانی و اخلاقی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی اور رواداری تو اُنکے ہاں کفر کے برابر تھی ◆

ظہورِ اسلام کے وقت دُنیا کے تمام بڑے مذاہب کی مقدّس کتابیں اپنی پاکیزگی کھو چکی تھیں تو ہمات کا بھوت نوعِ انسان کی رُوح پر سوار تھا اور آزادئ ضمیر کے پاؤں میں غلامی کی بیڑیاں پڑ چکی تھیں، دُنیا کی معاشرتی و اخلاقی حالت ناگفتہ بہ تھی ◆ پروفیسر جے جے لین کہتا ہے کہ "حضرت محمدؐ کے وقت میں معلوم شدہ دُنیا بُت پرستانہ لغویات کا کارخانہ تھی اور جیسا کہ ہم کو بعد میں پتہ چلا ہے اُس وقت کی نامعلوم شدہ دنیا بھی اسی حالت میں تھی" ◆

عرب کی سرزمین مختلف مذاہب کا اکھاڑا اور بالخصوص بُت پرستی کی آماجگاہ بن چکی تھی مشیتِ ایزدی نے ازل سے اس سرزمین کو تاکا تھا کہ یہیں سے جب ساری دُنیا پر ظلم و جہالت کی تاریکیاں مُسلّط ہونگی نُورِ ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا!!

(باقی)
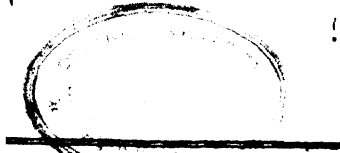
بچّے کی تعلیم

ایک ماں نے ایک مُعلّم سے کہا "میں اپنے بچّے کی تعلیم کب شروع کروں۔ وہ اب چار برس کا ہونیکو ہے" مُعلّم نے کہا "تم نے پہلے ہی اُس کی عمر کے تین سال کھو دئیے ہیں۔ یہ کام تو اُس وقت سے تم کر سکتی تھیں جب مسکراہٹ پہلے پہل اُس کے لبوں پر نمودار ہُوئی" ◆

(دلچسپ)

---:-✳-:---
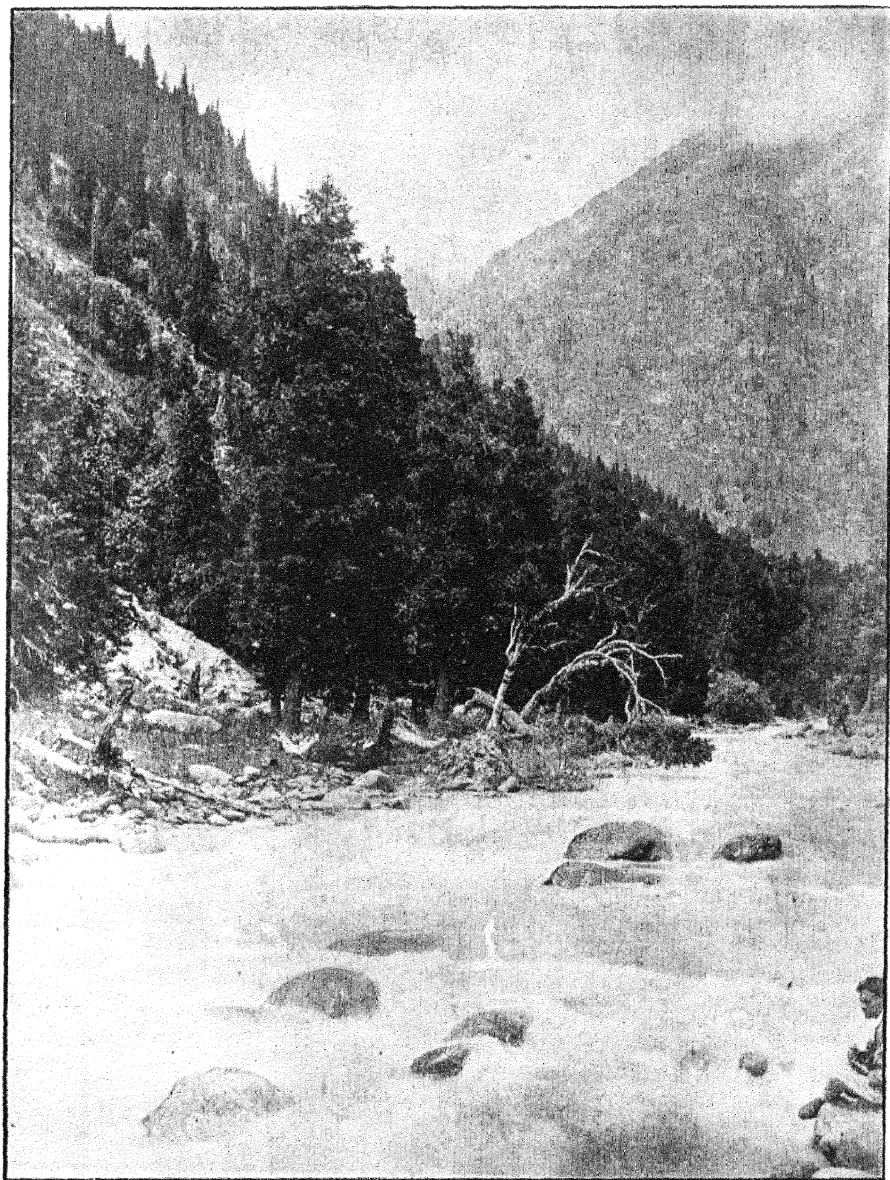
آبجو (المودای)

آبجو

اے صدائے کوہسار اے آبجوئے نغمہ خواں
اے بہارِ حُسن اے آئینۂ صد گلستاں!

سینکڑوں گُلشن ہیں تیرے ساحلوں پر جلوہ ریز
ساز لاکھوں تیرے بیکل پانیوں میں نغمہ ریز

کوہسار استادہ ہیں ہر سُو قطار اندر قطار
تیری عصمت کا امیں ہے جن کی عظمت کا وقار

جادہ سازِ زندگی ہے مستقل کاوش تری
اور پیامِ خُرّمی یہ دائمی شورش تری

عرصۂ عالم میں اے عقدہ کُشائے بندِ غم
گرم جولانی ہے تو تھامے ہُوئے اپنا علَم

قطرے قطرے میں ترے پوشیدہ ہے اک سازِ برق
تیری ہر جنبش سے ہے گویا عیاں اندازِ برق

کس قدر پُرسوز و درد انگیز تیرا راگ ہے
بجھ نہیں سکتی جو پانی سے بھی یہ وہ آگ ہے

گُلشنِ ہستی میں گو بہنے پہ تُو مجبُور ہے
اپنی مجبوری پہ لیکن کس قدر مسرور ہے

بہ کے جب گاتی ہے تو۔ گاتی ہے تُو بہتی ہے تُو
"زندگی اک گیت ہے" زندوں سے یہ کہتی ہے تُو

جی میں آتا ہے کٹے صحبت میں تیری زندگی
دُور کر دے میری ظُلمت کو تری تابندگی

آبجو! میں تیری موسیقی پہ سر دُھنتا رہوں
سنگریزے تیرے ساحل پر سدا چُنتا رہوں

ہو کے آئینِ عمل کے راز سے آگاہ میں
دیکھ لوں آنکھوں سے اپنی زندگی کی راہ میں

یہ نظم پہل گام (کشمیر) کے قریب آبجوئے لدری کے کنارے لکھی گئی جس کی ایک تازہ تصویر میرے عزیز میاں محمد اسلم صاحب نے ہمایوں کے لئے عنایت فرمائی ہے۔

زندگی کیا ہے؟ فقط بیتا ہیوں کا نام ہے
روز و شب گردش میں جو رہتا ہو یہ وہ جام ہے

رُوح کے خوابِ تن آسانی سے بیداری ہے یہ
خود فروشی ہے مگر اس پر بھی خودداری ہے یہ

زندگی میں خود فراموشی ہے پیغامِ فنا
خود شناسی ہے چراغِ ظلمتِ شامِ فنا

دل کو اے غافل! شعاعِ نور سے تابندہ کر
اس چمن کو پھر نسیمِ آرزو سے زندہ کر

وقت ہے بیدار کر سوئی ہُوئی قسمت کو تُو
پالے اِس دُنیا میں پھر کھوئی ہُوئی جنّت کو تُو

خوبیٔ حسنِ عمل آئینۂ قدرت میں دیکھ
جوشِ صہبائے مسرت شیشۂ کلفت میں دیکھ

فکرِ مستقبل نہ کر ذکرِ مصائب چھوڑ دے
بندشِ حاضر کی زنجیروں کو یکسر توڑ دے

بہ نکل میدانِ ہستی میں مثالِ جوئبار
سادہ پوش و سخت کوش و گرم جوش و بیقرار

شکلِ کہسار اپنی خودداری پہ قائم رہ مدام
نُورِ حق کا آئینہ ہو نفس تیرا صبح و شام

جس طرح بُلبل کو پھُولوں سے چمن میں پیار ہو
اُلفتِ خلقِ خدا سے دل ترا سرشار ہو

طبعِ پاکیزہ تری چمکے ستارے کی طرح
نُور کا ٹکڑا لے بنے دل ماہ پارے کی طرح

نیک بن بیدار ہو احسان کر دلشاد رہ!
پاک بن بے باک ہو ایثار کر آزاد رہ!

ب

سلام کی شاعری

مرثیہ گویوں نے جب سلام ایجاد کیا، تو اس سے پہلے غزل موجود تھی۔ غزل وارداتِ قلبی کے بیان کیلئے موضوع ہوئی تھی۔ اس میں جو شاعری کی جاتی ہے اُسکا پہلو داخلی ہے۔ خارجی نہیں۔ اگر کبھی خارجی شاعری کی جائے، تو اس میں بھی داخلی انداز شریک ہونا چاہیئے۔ غزل انہیں شاعروں کی مقبول ہوئی جنہوں نے قلبِ انسانی کی اندرونی لہروں کی تصویر کھینچ کر دکھائی۔ جن غزل گو شاعروں نے اس کا لحاظ نہیں رکھا۔ اُنکی غزلیں مر گئیں۔ اُنکے دیوان فنا ہو گئے اور گمنامی کے غبار میں چھپ گئے۔ غزل میں عشقِ مجازی کے سافل جذبات بھی بیان ہو سکتے ہیں اور عشقِ حقیقی کے لطیف جذبات کا چربہ بھی اُتارا جا سکتا ہے۔ حکیمانہ خیالات بھی اُس میں بے تکلف ظاہر ہو سکتے ہیں، حافظ نے غزل کی شاعری میں اخلاقی فلسفہ کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ بلند پایہ شاعروں نے غزل میں تصوف اخلاقیات۔ اور حکیمانہ خیالات کے دریا بہائے ہیں۔ غزل کا ہر شعر جداگانہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک مستقل خیال یا جذبہ بیان کیا جاتا ہے یورپ کی شاعری سے غزل گوئی کا انداز الگ ہے۔ ہمارے شعرا کے دیوانوں میں بہت کم غزلیں ہیں جو اوّل سے آخر تک اپنے مضمون کے لحاظ سے مربوط اور مسلسل ہوں۔ البتہ قطعہ بند شعر بیچ میں آ سکتے ہیں ؎

جس زمانے میں دبیر و انیس نے مرثیہ گوئی کے فن میں شہرت پائی، لکھنؤ میں غزل گوئی کا چرچا بھی حد سے زیادہ تھا۔ خود مرثیہ گو غزل کہنے کی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے مرثیہ گوئی کو اپنا فن بنا لیا تھا، علاوہ ظاہری تحسین و آفرین کے انکو اس قسم کی شاعری سے ثوابِ آخرت کی بھی توقع تھی۔ مرثیہ مسلسل واقعات کا مسلسل بیان ہوتا ہے۔ مگر شہادت کے متعلق جستہ جستہ خیالات بھی شاعر کے ذہن میں آ سکتے ہیں، ان خیالات کے اظہار کے لئے انہوں نے غزل کا پیرایہ اختیار کیا اور اس کا نام سلام رکھا۔ سلام کا ڈھانچا ایسا تیار کیا کہ غزل کے عاشقانہ مضامین کو چھوڑ کر دیگر وارداتِ قلبیہ اور حکیمانہ خیالات بھی اُس میں بے تکلف سما سکیں ؎

غزل گوئی میں جولانیٔ طبع کے مقابلہ کیلئے جو محفل مُرتب کی جاتی ہے۔ اُسکو مشاعرہ کہتے ہیں۔ سلام میں طبع آزمائی کا اظہار جس محفل میں کیا جاتا ہے، اُس کو مُسالمہ کہنے لگے۔ سلام کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) شاعر سلام کے شروع میں اپنے تئیں سلامی یا مجرئی کہکر مخاطب کرتا ہے ؎

(۲) - سلام کی زمین غزل کی طرح عموماً شگفتہ ہوتی ہے، جس میں آسانی سے سلام گو شاعر اپنے خیالات کا اظہار کر سکے +
(۳) - شہادت کے متعلق مختلف وارداتِ قلبی اور منفرد خیالات کا اظہار سلام کا اصلی موضوع ہے۔
اور اسی خاص مضمون پر اُس کی بنیاد رکھی گئی ہے +
(۴) سلام کے درمیان کسی کسی شعر میں سلام گو اپنا کوئی حکیمانہ خیال یا کوئی اخلاقی بات بھی بیان کر جاتا ہے۔
اپنی تمنا، اپنی شخصی حالت اور حریفوں کے مقابلہ میں فخر کا اظہار بھی اسی ذیل میں شامل ہے +

غزل کی طرح قافیہ اور ردیف کا ایسا ربط جو مختلف محاوروں پر حاوی ہو جائے، سلام میں بھی ہوتا ہے اور اس غرض کے لئے کبھی کبھی ایسی زمینیں اختیار کی جاتی ہیں، جن سے محاورہ دانی کا اظہار ہو سکے۔ غزل کی طرح سلام کے درمیان قطعہ بند اشعار بھی آ جاتے ہیں۔ غرضکہ جو مرثیہ گو غزل گوئی کا کمال بھی دکھانا چاہیں، وہ سلام کہہ کر اپنی اس تشنگی کو رفع کر سکتے ہیں +

انیس کے علاوہ دبیر۔ مونس۔ اُنس۔ عروج۔ نفیس۔ اوج وغیرہ مرثیہ گو شاعروں نے اس صنعت میں طبع آزمائی کی ہے۔ مگر ہم یہاں انیس کے سلاموں کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

انیس کے سلام عموماً سات آٹھ شعر سے کم اور پچیس تیس اشعار سے زیادہ نہیں ہیں۔ جو شگفتہ زمینیں انیس نے اختیار کی ہیں، اُنکی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:-

ٹپکتا ہے - مہکتا ہے -
کمال مجھے - ہلال مجھے -
دُلھن کے پاس - چمن کے پاس -
شباب رہتا ہے - آفتاب رہتا ہے -
وطن سے جدا - کفن سے جدا -
بیاں کر دیا - آساں کر دیا -
آفتاب مجھے - شباب مجھے -
نہالوں کی - مرنے والوں کی -
چمن ہے - سخن ہے -
گلزار ہوں - بیمار ہوں -

آسماں پیدا ہوئے - بیزباں پیدا ہوئے -
دریا نہ چاہیئے - تمنّا نہ چاہیئے -
رو سکتا نہیں - ہو سکتا نہیں -
وفا ہو گئی - ہوا ہو گئی -
جدا ہوتا ہے - فنا ہوتا ہے -
ظاہر ہے - نادر ہے -
کربلا کے سامنے - خدا کے سامنے -
چارہ گیا - دریارہ گیا -
زمینوں کو - خوشہ چینوں کو -
بقا میرے - شفا میرے لئے -

خدا نہیں رکھتے - وفا نہیں رکھتے -
اُٹھا کے چلے - دکھا کے چلے
قدم رکھتے نہیں - ہم رکھتے نہیں
سر در چھوٹے - بستر چھوٹے
زباں کھینچتے ہیں - کماں کھینچتے ہیں

اخیر کی زمین وغیرہ ایسی ہے جس میں انیس نے اپنی محاورہ دانی کا ثبوت دیا ہے - چنانچہ اس ردیف میں اُس نے ذیل کے محاورے کھپائے ہیں :-

شبیہ کھینچنا - تصویر کھینچنا - زمین پرنشان کھینچنا - شکنجہ میں کھینچنا - لحد پر سائبان کھینچنا - اپنے آپ کو کھینچنا - سختیاں کھینچنا - بارِ گراں کھینچنا - سر کو آسمان تک کھینچنا - ہاتھ کھینچنا - آہ کھینچنا - ایذا کھینچنا - اُتری کمان کھینچنا - چلّہ کھینچنا - آپ اپنی زبان کھینچنا - اذیت کھینچنا - جفا کھینچنا - لنگر کھینچنا - گلاب کھینچنا - خفت کھینچنا - معافی کا خط کھینچنا - رنج کھینچنا - سر سے چادر کھینچنا - رگ رگ سے جان کھینچنا - تلوار کھینچنا - رخت کھینچنا - دُکھ کھینچنا - قدم کھینچنا - کلیجے سے برچھی کھینچنا - گھوڑے کی باگ کھینچنا - کانوں سے بالیاں کھینچنا ؁

یہ بھی غزل کا ایک کمال خیال کیا جاتا ہے کہ ایسی زمینوں میں جن میں بہت سے محاوروں کی کھپت ہو سکتی ہو، قافیہ ردیف کا کوئی ایسا پہلو چھوٹنے نہ پائے، جس سے کسی محاورہ کا اظہار ہو سکتا ہو ؁

جس طرح غزل گو غزل میں طبیعت کی جولانی کا اظہار کئی کئی مطلعے لکھ کر کیا کرتے ہیں، یہی حال سلام کا ہے - اس میں بھی شاعر اپنے حسنِ طبع کا ثبوت مطلع - حُسنِ مطلع - زیب مطلع لکھ کر دیتا ہے - مثلاً انیس نے "چھلکتا ہے" - "چمکتا ہے" کی زمین میں ذیل کے دو نہایت لطیف مطلعے لکھے ہیں ؁

سلامی چشم سے رہ رہ کے خونِ دل ٹپکتا ہے — غم سجّادِ بیکس دل میں کانٹا سا کھٹکتا ہے
سلامی چشم میں آنسو ہیں یا دریا چھلکتا ہے — جگر میں داغ ہیں یا کھیت لالہ کا لہکتا ہے

ایک اور زمین کے دو مطلعے ملاحظہ ہوں :-

مثالِ بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے — گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے
کمالِ شوقِ زیارت ہے اب کے سال مجھے — کریم ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے

"زمینوں کو"۔ "حسینوں کو" انیس کے سلام کی مشہور زمین ہے۔ اُس کا مطلع ۔حُسنِ مطلع اور زیبِ مطلع بھی ملاحظہ طلب ہے:۔

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو ۔۔۔ ہم آسمان سے لائے ہیں اُن زمینوں کو

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو ۔۔۔ خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

لحد میں سوئے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو ۔۔۔ قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو

انیس نے ایک سلام کے آٹھ مطلعے اور ایک کے چودہ مطلعے لکھے ہیں۔ شہادت کے جستہ جستہ مضامین جو سلام میں باندھے جاتے ہیں، اُن کا اندازہ کرنیکے لئے چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:۔

غمناک دن کا آغاز ہے، جس کا انجام پہلے سے پیش نظر ہے، اس وقت کا سماں اس سے زیادہ درد انگیز الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتا ؂

حرم روئے۔ کہا جب آسماں کو دیکھکر شہ نے ۔۔۔ علی اکبر اذاں دو۔ صبح کا تارا چمکتا ہے

حضرت سکینہ جو ناز پروردہ تھیں اُنکی حالت قید خانے میں کیا تھی اس کی جو تصویر ایک عام تشبیہ اور سادہ زبان میں انیس نے کھینچی ہے، اُس کی تعریف نہیں ہو سکتی ؂

سکینہ ناز پرور قید کی آفت کو کیا جانے ۔۔۔ یہ عالم ہے قفس میں جس طرح طائر پھڑکتا ہے

اسی بے نظیر سلام میں چار شعر کا ایک قطعہ لکھا ہے، جس میں حضرت اصغر کی پیاس کا عالم دکھایا ہے۔ جس کو سُن کر ہر شاعر سر دُھننے لگتا ہے قطعہ ملاحظہ ہو:۔

کہا بانو نے شہ سے تیر چلتے ہیں کلیجے پر ۔۔۔ مرا مُنہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھوں سے تکتا ہے

یہ ننھے ننھے دونوں ہاتھ بل کھاتے ہیں تکیوں پر ۔۔۔ مسوڑھے ہوگئے ہیں نیلگوں، تالو لپکتا ہے

بچالو واسطہ زہرا کا صاحب! میرے اصغر کو ۔۔۔ نہ بچہ دُودھ پیتا ہے۔ نہ اب آنکھیں جھپکتا ہے

صُراحی دار یہ گردن ڈھلی جاتی ہے بن پانی ۔۔۔ گلے میں سانس جب رُکتی ہے سر دیدے پٹکتا ہے

انیس کا یہ سلام مرزا غالب کے زمانے میں دہلی پہنچ گیا تھا۔ مولانا حالی کا بیان ہے کہ مرزا اس قطعہ کے دوسرے شعر کو بار بار پڑھتے اور وجد کرتے تھے۔ خود مولانا حالی کو بھی ہم نے کئی بار یہ شعر پڑھتے اور سر دُھنتے دیکھا ہے۔

انیس کا وہ سلام بھی بہت مشہور ہے، جس کی زمین ہے "نونہالوں کی" "صاحب کمالوں کی"

اس سلام کے مندرجہ ذیل دو شعر ملاحظہ ہوں، جن میں انیس نے دبیہ اِن کربلا کی شجاعت اور معرکہ آرائی کی تعریف دلی جوش سے کی ہے۔

جوانانِ حُسینی نے پرے توڑے صفیں اُلٹیں — نہ بھولیگی قیامت تک لڑائی مرنے والونکی
جوانانِ علی کو دیں اگر تشبیہ کس سے دیں — کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں مثالیں بیمثالونکی

ایک سلام کے دو شعر ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں، جن میں سے پہلے شعر میں حضرت حُر کا اور دُوسرے میں حضرت اصغر کا ذکر ہے۔

جان دی حُر نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم — میہماں ایسے۔ نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے
بود و نابودِ علی اصغر کا کیا کیجے بیاں — میزباں دُنیا سے اُٹھے۔ میزباں پیدا ہوئے

یہ سلام انیس نے حیدر آباد میں پڑھ کر سُنایا تھا اور اس پر بیحد تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوئے تھے۔

ذرا حضرت قاسم کے نکاح کا دردناک انجام دیکھئے۔ اس سلام کی زمین ہے "چمن کے پاس"۔ "کفن کے پاس"

شہ پڑھ چکے جو عقد۔ تو آئے سلام کو — دُولھا کے پاس موت۔ رنڈاپا دُلھن کے پاس

ذیل کا قطعہ ذوالفقار کی زبان سے ہے:-

کہتی تھی تیغِ علی یا شاہِ دیں! — حُکم گر دیجے تو آتش بار ہوں
سب کو کر دیتی ہوں فرش اک آن میں — عرش سے اُتری ہُوئی تلوار ہوں
میں نے کاٹے ہیں۔ پر رُوح الامیں — میں علی کی تیغ جوہر دار ہوں
چار آئینہ ہو بر میں - یا زرہ — چار کر دوں اُس کو جس سے چار ہوں

ایک سلام ہے "اُٹھا کے چلے"۔ "دکھا کے چلے"۔ اُس میں بےبسی اور بیکسی کی یہ تصویریں بھی نظر کے سامنے لائیے۔

ملی نہ پھولوں کی چادر تو اہلبیتِ رسُول — مزارِ شاہ پہ لختِ جگر چڑھا کے چلے
چلے وطن کو جو عابد تو کہتے تھے رو کر — علی کے چاند کو ہم خاک میں مِلا کے چلے

اب ایک نظر اُن خیالات پر بھی ڈالنی چاہیئے، جو مضامینِ شہادت کے علاوہ سلام میں لائے

گئے ہیں اور جن کے اظہار کا موقع مرثیہ میں بجز آخری بند کے نہیں ملتا۔

انسانی ہستی کی ناپائداری۔

نمود و بود بشر کیا محیطِ عالم میں ۔۔۔ ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا۔ حباب نہ تھا

جوانی کا قلیل عرصہ۔

نہ جانے برق کی چشمک تھی، یا شرر کی لپک ۔۔۔ ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی۔ شباب نہ تھا

دلوں کی شکستگی۔

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر ۔۔۔ کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

دولتمندوں کا عبرت انگیز انجام۔

نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہاں ۔۔۔ خاک تک چھانی۔ نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

زندگی کی بے ثباتی۔

جو عدم سے آ گیا دُنیا میں، بولی ہنس کے موت ۔۔۔ اور لو دو چار دن کے میہماں پیدا ہوئے

دُنیا کے بکھیڑے۔

کھانے کو رزق۔ رہنے کو گھر اور لحد کو جا ۔۔۔ دُنیا میں ایک جان کو کیا کیا نہ چاہیئے

اختلافِ حالات۔

ہر اک کے واسطے ہے ترقی بقدرِ حال ۔۔۔ اسفل کو فکرِ منصبِ اعلےٰ نہ چاہیئے
ہر کوہ پر نہ ہوگی تجلّی مثالِ طور ۔۔۔ ہر ہاتھ کے لئے یدِ بیضا نہ چاہیئے

شباب کی ایک نادر تشبیہ۔

شباب تھا کہ دمِ واپسیں کی آمد و شد ۔۔۔ یہ مضطرب اِدھر آیا۔ اُدھر روانہ ہُوا

شباب اور حیاتِ انسانی کی ناپائداری۔ دُنیا کے بکھیڑے۔ اختلافِ حالات۔ دولتمندوں کا عبرت ناک انجام یہ مضامین جو سلام میں لائے گئے ہیں، بالکل وہی ہیں، جو اُس زمانے کی شاعری میں عام تھے اور جن کے بار بار شاعر کے ذہن میں آنے کا باعث وہ ماحول تھا، جس میں میر تقی میر اور دیگر شعرا نے زندگی بسر کی تھی۔ مگر وہ اشعار جن سے انیس کے حالات دنیالات پر اور اُس زمانے کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے، خاصکر توجّہ کے قابل ہیں۔ اس لئے ذیل میں ہم ایسے اشعار پیش کرتے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خاکساری اور تواضع سے پیش آنا انیس کی فطرت میں داخل تھا۔ اپنی اِسی عادت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:۔

انیس عمر بسر کردو خاکساری میں　　کہیں نہ یہ کہ غلامِ ابو تراب نہ تھا

اسی خاکساری کو انیس نے اپنے لئے عزت اور عظمت کا باعث سمجھ رکھا تھا۔ کس جوش سے فرماتے ہیں:۔

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں　　اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

دوسروں کے لئے بھی وہ اسی نتیجے کے متوقع ہیں۔

ملا جنہیں اُنہیں اُفتادگی سے اوج ملا　　اُنھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اُٹھا کے چلے

جن لوگوں کی پاکیزہ زندگی انیس جیسی ہو، وہ کسی کی دل آزاری کب پسند کرتے ہیں۔ اُنکو ہر وقت اس بات کا خیال رہتا ہے کہ اُن کی کسی حرکت سے دوسروں کو آزار نہ پہنچے۔

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم　　انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

اپنی اسی مرنجان و مرنج زندگی کی طرف انیس نے ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے:۔

مثلِ بُوئے گُل سفر ہوگا مرا　　وہ نہیں میں جو کسی پر بار ہوں

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی　　چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

انیس درباری شاعر نہ تھے۔ اُن کو دولت و جاہ کی طلب نہ تھی۔ خودداری اور توکّل کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو:۔

اہلِ دولت سے نہیں مطلب انیس　　یاں توکل ہے سدا اللہ پر

قناعت پر بسر کرنا اور اپنی عزّت کو سوال کی ذلّت سے نہ بدلنا۔ اہل کمال کی زندگی کا خاصہ ہے انیس اسی حالت میں مگن ہیں اور کہتے ہیں:۔

قناعت و گُہرِ آبرو و دولتِ دیں　　ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

کسی کے سامنے کیوں جاکے ہاتھ پھیلاؤں　　مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

انیس کی دعا بھی اسی انداز کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے　　فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

انیس اپنے کمال سے خود واقف تھے۔ اُنکو اپنے کمال پر ناز تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مرثیہ گوئی سے اُنہوں نے فنِ شاعری کو کس بلندی پر پہنچا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں:-

کسی نے تری طرح سے اے انیس ۔۔۔ عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

سُبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر ۔۔۔ مگر ہم نے پلّہ گراں کر دیا
مری قدر کر اے زمینِ سخن ۔۔۔ کہ میں نے تجھے آسماں کر دیا

خود داری اور کمال کے تیور ملاحظہ کیجئے۔

سرکس و ناکس سے جُھکنے کا نہیں ۔۔۔ ہمسر موا میں تیغ جوہر دار ہوں۔
اے زمیں مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ ۔۔۔ آسماں کا طُرّۂ دستار ہوں
جُز خدا جُھکتے نہیں ہم بادشا کے سامنے ۔۔۔ ہاتھ پھیلائے تونگر کیا گدا کے سامنے

احساس کمال کے ساتھ زمانے کے شکوہ کو فضول سمجھتے ہیں اور اپنے دل کو یوں سمجھاتے ہیں:-

انیس اس قدر شورِ بختی کا شکوہ ۔۔۔ یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

اپنی جدّتِ فکر اور بلند پروازی پر انیس کو خود فخر و ناز ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ حریف گو اُنکے کمال کا اعتراف نہ کریں۔ مگر چُپ چاپ مستفید ہوتے ہیں:

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو ۔۔۔ ہم آسماں سے لائے ہیں ان زمینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین تازہ کے انبار ۔۔۔ خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

حریف جب اُن پر اعتراض کرتے ہیں در حسد سے اُنکے برخلاف زہر اُگلتے ہیں تو وہ ضبط کرتے ہیں اور کہتے ہیں:-

ضبط دیکھو سب کی سُن لی۔ پُر نہ اپنی کچھ کہی ۔۔۔ اس زباندانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

انیس چھریرے بدن کے تھے۔ دُہرا جسم نہ تھا۔ اس کی طرف بھی خود اپنے اشعار میں اشارہ کیا ہے۔

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے ۔۔۔ اُڑ گیا جب رنگ رُخ سے استخواں پیدا ہوئے

لکھنؤ کا انقلاب اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ ایک سلام میں کس درد ناک انداز سے فرماتے ہیں:-

امیر جس درِ دولت پہ اک زمانہ ہوا ۔۔۔ وہ گھر اُجڑ گیا۔ غارت وہ کارخانہ ہوا

مکیں رہے۔ نہ مکاں۔ طرفہ کارخانہ ہُوا　　زمیں اُلٹ گئی۔ کیا منقلب زمانہ ہُوا

یہ انقلاب غضب کا ہے یا علی فریاد　　کہ مسجدیں تھیں جہاں اُن شرابخانہ ہُوا

انیس کو وطن کی سرزمین سے بیحد اُنس تھا۔ مگر اودھ کے انقلاب نے اُنکو باہر جانے پر مجبور کیا۔ وہ پٹنہ۔ الہ آباد اور حیدر آباد پہنچے۔ یہ سفر اُنھوں نے بادِلِ ناخواستہ کئے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں:-

کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر　　جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہُوا

ہندوستان کے انقلاب و ہنگامہ کو دیکھ کر اُن کے دل میں کربلا جانے کا خیال پیدا ہُوا۔ علاوہ مذہبی عقیدہ کے یہ حالت بھی خاصکر اس خیال کی محرّک تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

جو خضرِ بخت مجھے کربلا میں پہنچا دے
نہ آئے خواب میں بھی ہند کا خیال مجھے

نوائے راز

کنجِ عزلت سے زیادہ کہیں آرام نہیں　　یہ وہ دُنیا ہے جہاں صبح نہیں، شام نہیں

پُوری ہوتی نہیں کبھی آرزوئے خام نہیں　　ایک آغاز ہے لیکن کوئی انجام نہیں

میری تقدیر! اسیرِ غمِ ایّام ہوں میں　　اس میں کچھ شائبہ گردشِ ایّام نہیں

آرزوؤں نے پریشاں بنا رکھا ہے　　جسم آرام میں ہے، روح کو آرام نہیں

تیرے دیدار کی حسرت ترے ملنے کی امید　　شکر صد شکر کہ دل میں ہوسِ خام نہیں

کیا حسیں اور زمانے میں نہیں ہے کوئی　　لیکن اے دوست! مرا ذوقِ نظر عام نہیں

راز کیا یاد نہیں تجھ کو وہ پیمانِ ازل
حیف! عشاق کے دفتر میں ترا نام نہیں

ابوالفضل راز چاندپوری

محبت کا دُوسرا دَور

وہ پھر تیرے جنونِ شوق کا حد سے گزر جانا
وہ پھر میرے سکونِ دِل کا شیرازہ بکھر جانا

وہ پھر مُجھکو ترا باطلعتِ قاتل نظر آنا
وہ پھر تیرا چھُری لیکر مرے دِل میں اُتر جانا
وہ پھر تیرا کٹاری باندھکر سینے میں دَر آنا
وہ پھر تیرا سناں بن کر کلیجے سے گزر جانا

وہ پھر میرا تری پہلی نظر میں تلملا اُٹھنا
وہ پھر تیری نظر کا گھاؤ دل سے تا جگر جانا
وہ پھر میرے دِلِ مظلوم سے شورِ بکا اُٹھنا
وہ پھر تیرا مجھے اُلٹی چھُری سے ذبح کر جانا

وہ پھر تیرا ستم کرنا۔ وہ پھر تیرا غضب ڈھانا
وہ پھر میرا دل و دیں چھین لینا اور مُکر جانا
وہ پھر تیرے خمِ زُلفِ دوتا کا داؤں چل جانا
وہ پھر میرے دِلِ آزاد کی بازی کا ہر جانا

وہ پھر تیرا مری رگ رگ میں خونِ شوق دوڑانا
وہ پھر میری تمناؤں کا رنگِ رخ نکھر جانا
وہ پھر تیرا مری ٹوٹی ہوئی اُمید بندھوانا
وہ پھر میرے دلِ خالی کا ارمانوں سے بھر جانا

وہ پھر تیرے تعشق کا مجھے دونا نشہ چڑھنا
وہ پھر تیرے تعلّق کا جنوں دونا اُبھر جانا
وہ پھر تیری محبت کا ہزاروں رنگ سے بڑھنا
وہ پھر تیری تمنّا کا ہزاروں گُل کتر جانا

وہ پھر تیرا مجھے اپنے کرم سے ہوش میں لانا
وہ پھر میرا خمارِ بادۂ غفلت اُتر جانا
وہ پھر تیرا مرے جذباتِ اُلفت جوش میں لانا
وہ پھر تیرا مری مُردہ طبیعت زندہ کر جانا

وہ پھر تیرا مجھے اک خاص بیتابی عطا کرنا
وہ پھر میرے دلِ بےحِس کی حالت کا سُدھر جانا
وہ پھر تیرا مجھے مامون خوف یاس وا کرنا
وہ پھر میری طبیعت کا سکون پانا ٹھہر جانا

وہ پھر آزاد کو ہر قید سے آزادیاں ملنا
وہ پھر آزاد کے بگڑے نصیبوں کا سنور جانا

حکیم آزاد انصاری

بچّے کھیل رہے تھے

بچّے کھیل رہے تھے، ندی گا رہی تھی، ہوا ناچ رہی تھی۔ پھول اترا اترا کر جھوم رہے تھے۔ بچّے لڑ پڑے مگر ندی کے راگ میں، ہوا کے رقص میں، پھولوں کی مسکراہٹ میں ذرا فرق نہ آیا۔ بچّے لڑ لڑا کے ایک بڑے گروہ کی بجائے دو چھوٹی جماعتوں میں منتشر ہوتے نظر آئے۔ جو پٹے تھے۔ وہ روتے کڑھتے الگ ہٹ رہے تھے۔ پٹنے والے تن تن کر کہہ رہے تھے "کہا نہ ماننے کا مزہ چکھا؟ پٹنے والے بڑبڑا رہے تھے "نہیں مانتے۔ سو دفعہ نہیں مانیں گے۔ کیوں مانیں؟" "ای ای ای"۔ یہ "ای ای ای" آخری دو چار چپتوں کا رسیدی جواب تھا۔ تھوڑی دیر بعد الگ الگ کھیل شروع ہو گیا۔ بڑے لڑکے دریا کھودنے لگے اور چھوٹے لڑکے قلعہ تعمیر کرنے میں مشغول ہو گئے +

دریا کھُد کر طیار ہُوا تو چھوٹی چھوٹی اوکیں۔ اس میں پانی بہانے کی فکر میں لگیں۔ اوک میں کتنا پانی آتا؟ آخر ایک باتدبیر ہونہار نے ایک چھوٹے لڑکے کی ٹوپی کا ڈول بنایا۔ یہ بچارا اپنے مٹّی کے قلعہ کی اُٹھتی ہُوئی بلندی میں اس قدر مصروف تھا کہ یہ تمام ماجرا اسے تب معلوم ہُوا جب دریا کی لہروں نے اسکے قلعہ کی دیوار آ گرائی، دریا بھی رُک گیا قلعہ بھی ڈھے گیا اور کھیل بھی بھول گیا۔ پھر وہی مُکّے۔ وہی لاتیں وہی اُوں اُوں۔ ابکی بڑے بچّوں میں خود تین جماعتیں ہو گئیں۔ کچھ تو اس بااصول کے حمایتی تھے جس نے پکار کر کہا "جس کا سکا اس کی ٹوپی"۔ کچھ چاہتے تھے کہ ٹوپی میں پانی اجازت سے بھرنا چاہیئے تھا۔ اس جماعت کا اعتراض یہ نہ تھا کہ ٹوپی خراب ہوئی یا ٹوپی والے کا دل دکھا بلکہ صرف یہ کہ خودداری کا لازمی تقاضا ہے کہ اجازت طلبی کی رسم کو ضرور ادا کیا جائے۔ ان کا آخری قول فیصل یہ تھا کہ اگر اجازت خوشی سے نہ دی جاتی تو پھر زبردستی ٹوپی چھین لی جاتی تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ تیسری پارٹی کے احساسات کا اظہار یوں ہُوا کہ اجازت کا سوال قطعاً فروعی ہے۔ ان کا اصرار اس بات پر تھا کہ دریا بنانیوالی جماعت کے کسی ایک ممبر کا باقی ممبروں کو اپنی تجویز سے بے خبر رکھنا غداری ہے اور بیخبر رکھتے ہُوئے اس تجویز پر عمل کر دینا غیر آئینی ہے۔ "تم نے تجویز کو باقاعدہ پیش کر کے اسے منظور کیوں نہیں کرایا؟" یہ تھا اس تیسری جماعت کا سوال +

گھر واپس جانے کا وقت ابھی نہ آیا تھا۔ شام دور تھی، باغ پُر فضا تھا اور کھیل کے شوق سے چہرے گُلنار تھے۔ چنانچہ اب چار مختلف جگہ کھیل شروع ہوا۔ ہر جگہ کھیل تھوڑی دیر انہماک سے رہتا اور پھر ضرور کچھ نہ کچھ لڑائی ہو جاتی اور نئی نئی ٹولیاں طیار ہوتیں۔ تھے تو بچے مگر ایک لڑائی میں پوری شاعری کر گئے۔ کسی شوخ طباع کو سوجھی کہ لاؤ اس باغبان کا جو اصل مقصد ہے وہ پورا کر دیں یعنے پھول بن کر مسکرائیں۔ ندی بن کر گائیں اور ہوا کی اٹکھیلوں کو مات کریں۔ سب نے کوشش کی مگر باغبان کے نام پر جھگڑا ہو گیا۔ پھر وہی گلتے وہی لاتیں وہی اوں اوں۔ لڑتے لڑتے ایک بولا کہ باغبان کا قصہ چھوڑو وہ تو نہ آئے۔ نہ بولے ہوتا تو یا آتا یا بولتا۔ آؤ اس باغ کو اپنا بنالیں۔ اپنا بناتے بناتے باغ کی تقسیم پر پھر لڑائی ہو گئی۔

بچوں کا وقت کس قدر لمبا ہوتا ہے اور اس کے برعکس فرشتے جن کو اکثر غلط طور پر بچوں سے تشبیہ دی جاتی ہے کس قدر جلد باز ہوتے ہیں۔ ایک فرشتہ اس امر کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ یہ چھوٹی سی فالتو شمع جس کا نام نظام شمسی ہے کچھ ٹھیک نہیں جلی اسے گُل کر دوں۔

فلک پیما از لندن

گُہرہائے راز

یہ کچھ بے سبب نہیں کہ سراپا زباں ہوں میں	عالم تمام راز ہے اور راز داں ہوں میں
صبح ازل سے ہوں تنِ گیتی میں مثلِ رُوح	مجھ کو نہیں ہراسِ فنا جاوداں ہوں میں
نہ پروا کر کہ ہوتے ہیں دو عالم سرگراں تجھ سے	یہ دیکھا کر کہ تو مجھ سے نہیں ہے شرمسار اے دل
کیا لب بستہ مجھ کو کس ادا فہم محبت نے	بیاں ہوتا نہیں میرے ہی مُنہ سے مدعا میرا
دلِ خورشید، داغِ مہ، رگِ گل، سینۂ بُلبل	شہیدِ جستجو ہوں ہر کوئی ہے آشنا میرا
اے دل بقدر ظرف کہاں ہے بہارِ خلد	شاید سراغ ہو یہ کسی جلوہ گاہ کا
جو لب ہستئ مطلق پہ بن آئے نہ رہا	غم ہستی کا وہی نالۂ بیتاب ہوں میں
اب شکوہ ہائے درد کروں گا نہ میں کبھی	اب داستانِ ہجر سنے گا نہ تو مری
یا میں تھا اور صبح و مسا تیری آرزو	یا تو ہے اور شام و سحر جستجو مری

حامد

جادو کی ٹوپی

پوتھی کوتک رتناولی کا قلمی نسخہ دستیاب ہونے تک مجھ میں اور کالی چرن میں عملیات کا ذکر کبھی کبھا محض تفریح کی غرض سے ہُوا کرتا تھا۔ زندگی میں اپنی آرزوئیں بر نہ آنے کا احساس جب طبیعت پر مسلّط ہو جاتا اور افسُردہ خاموشی کسی قدر دردناک صورت اختیار کرنا شروع کرتی۔ تو میں خود اسے لاحاصل سمجھ کر ایک مردہ تبسّم کے ساتھ تخیّل کی دنیا کا رخ کر لیتا "واہ یار کالی چرن! تجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔ کہ اپنے چاچا سے کوئی کارج سدھ کرنے کا منتر ہی سیکھ لیتا"

منتر کا نام زبان پر آتے ہی طبیعت میں ایک ہلکا سا ہیجان پیدا ہوتا۔ رفتہ رفتہ تصوّر کی باگیں ڈھیلی چھُوٹ جاتیں، اور ذرا سی دیر میں اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ۔ ہم عجیب سے عجیب ارمان بیان کرنے شروع کر دیتے۔ اور بعض اوقات تو اظہارِ خیال میں آرزوؤں کی ندرت کے سوا اور کچھ مدنظر نہ رہتا۔

کبھی طبیعت پرواز خیال پر مائل نہ ہوتی۔ تو میں کالی چرن کے چاچا کے شوق عملیات پر اس سے طالب علمانہ انداز میں سوالات شروع کر دیتا۔ اور یہ سُن کر اس کا مُنہ تکتے تکتے کھو یا سا جاتا۔ کہ کئی مرتبہ اس کے چاچا اپنے کمرے سے نکلے بغیر اندر ہی اندر کسی طرح غائب ہو گئے۔ اور کچھ دیر بعد آپ سے آپ پھر وہیں آن موجود ہُوئے۔

جب کبھی اس جدوجہد کی دُنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے مجھے اپنی انتہائی مساعی بھی بے بس اور معذور نظر آتیں اور مایوسیوں کی بدولت طبیعت پر ضعف کی وہ کیفیت طاری ہوتی جب اوہام ایمان پر حکمراں ہو جاتے ہیں۔ تو کوئی دیوانی طاقت مجھے عملیات کے پرستان کی طرف کھینچ لے جانا چاہتی۔ اور میں حریصانہ کالی چرن سے پوچھتا، "چاچا سے کچھ مل بھی سکتا ہے!"

وہ کہتا "جب سوال کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ جو پردے قدرت نے دنیادار کی نظر پر ڈال دیئے ہیں۔ انکے اُٹھانے کی کوشش کرنا قدرت کے انتظام میں خلل ڈالنا اور خود اپنی تباہی کو بلانا ہے۔ ہاں دنیا کو چھوڑ دو۔ تپسیا سے دل کو پتھر بنالو۔ برداشت کرنے کے قابل بن جاؤ۔ پھر بادشاہتیں بھی نظروں میں ہیچ کر دونگا"

میں کہتا" بھوک ہی مٹ گئی۔ تو دسترخوان پر نعمتیں آنے سے حاصل؟"
کالی چرن بھی بے بسی کی ایک آہ بھر کر کہتا" نہ جانے کس چیز کو میری برداشت سے باہر سمجھتے ہیں"
اور واقعی کالی چرن کی برداشت اچھی خاصی ضرب المثل تھی۔ اسکے اعصاب لوہے کے تھے اور دل پتھر کا۔ طبعی ابدا اُس کے مُنہ سے اُف نہ نکلوا سکتی تھی۔ اور جذبات کی گرمی کبھی اس کو موم کرنے میں کامیاب نہ ہُوئی تھی۔ وہ داروئے بیہوشی سونگھے بغیر مسکرا مسکرا کر اپنے اوپر خطرناک عمل جراحی کرا لینے کی جرأت رکھتا تھا اور اپنے ایک دم توڑتے ہوئے عزیز کے سرہانے اس کے دل سے موت کی ہیبت کم کرنیکو میرے روبرو قہقہے لگاتا رہا تھا۔

لیکن تھوڑے ہی عرصے میں چاچا کے انتقال کے ساتھ گویا ان دوراز قیاس امیدوں کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ چاچا کے بیوی بچے ایک ایک کرکے سب کے سب دُنیا سے اُٹھ چُکے تھے۔ اور غالباً یہی صدمات انہیں دنیا سے دل برداشتہ کرکے عملیات کے پراسرار عالم میں لے گئے تھے۔ انکے انتقال کے بعد تنہا وارث ہونے کی حیثیت سے کالی چرن نے انکے اثاثے پر قبضہ کرلیا۔ اور جب انکے چھوٹے سے مکان کے مختصر سامان کو دیکھنا شروع کیا۔ تو ایک بڑے صندوق میں کئی ہڈیوں جڑی بوٹیوں اور ادویات کی پڑیوں میں دبا ہُوا اسے سیاہ آبنوس کا ایک صندوقچہ ملا جس کے ڈھکنے پر ہاتھی دانت کا نہایت خوش نما کام بنا ہُوا تھا۔ اور اندر سیاہ مخمل لگی تھی۔ اس صندوقچے کے ایک خانے میں کمخواب کے غلاف میں بند ایک کتاب رکھی تھی۔ جسے نکال کر کالی چرن نے دیکھا۔ تو پوتھی کوتک رتناولی کا قلمی نسخہ تھا۔

مجھے وہ رات اس طرح یاد ہے۔ جیسے کل کی بات ہو جب میں اور کالی چرن ایک مدھم روشنی کی لالٹین کے سامنے بیٹھ کر اس کتاب کی ورق گردانی کر رہے تھے۔ اور اس کے ہیجان انگیز عنوانات کو پڑھ کر تحیر کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکتے جاتے تھے۔

اس میں کیا نہ تھا؟ دماغ انسانی غور و فکر سے تپ اُٹھنے کے بعد قدرت و اختیار کے جن امکانات کو تصور میں نہیں لا سکتا۔ ابلیس کا تخیل کینہ و انتقام کی مبہم آرزوؤں کے جن نقوش کو نمایاں کرنیکی جرأت نہیں کرسکتا۔ ان سے مستفید ہونے کی مفصل تراکیب اس کتاب کے صفحوں پر الفاظ میں لکھی تھیں۔ اور کتاب کے شروع میں ایک طویل مقدمہ درج تھا۔ جس میں عملیات کی تاثیر کے اسباب پر مدلل بحث کر رکھی تھی۔

مجھے یاد ہے اس میں ایک مقام پر لکھا تھا۔ تو منتروں کے بے تعلق الفاظ کو بے معنی سمجھتا ہے۔ لیکن کیا چین کے رہنے والوں کی بولی بھی تجھ کو بے معنی نہیں معلوم ہوتی؟ صرف یہی وہ الفاظ ہیں۔ جو فضا میں گھر سے اُتر کر غیر مرئی ہستیوں کے کان کے پردے چھو سکتے ہیں۔ اور اے عامل! جس طرح تیری زبان کے الفاظ میں ہنسی کا پیغام لوگوں کو ہنساتا اور دُکھ کا اثر لوگوں کو رُلا دیتا ہے۔ اسی طرح وہ تیرا خضوع وخشوع اور تیری آرزو کی شدت ہے۔ جو تیرے منتر کو کامیاب بنا سکتی ہے +

اور اس کتاب میں کس شے کا منتر نہ تھا؟ معمولی سے معمولی بیماری سے شفا پانے کا منتر تھا۔ اور اس بے پایاں فضا کے تمام کُروں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش کر دینے کا منتر تھا۔ اور ان منتروں کی امداد کیلئے عجیب وغریب عمل تھے۔ جن میں سے کسی میں پہاڑی کوّے کا گوشت۔ اور کسی میں سیاہ بلّی کی ہڈی کسی میں اونٹ کا ناخن اور کسی میں بھینگے انسان کی آنکھ کام میں آتی تھی + لیکن ان عجیب وغریب اشیا کے استعمال کے متعلق بھی دلیل سے کام لینے کی کوشش کی گئی تھی۔ مقدمہ میں ایک دوسرے مقام پر لکھا تھا۔ تو صرف بیج کو زمین میں بو کر ایک ہری بھری فصل کو لہلہاتا ہُوا نہیں دیکھتا؟ پتھر پر پتھر مار کر تجھے آگ کی چنگاری جھڑتی نظر نہیں آتی؟ پھر اے عامل۔ جب تو لکھا دیکھے۔ کہ سیار کی ناف تلاش کر کے اندھے کوئیں میں ڈالدے۔ تو تو اپنی محدود نظر کے ہوتے کس طرح اس عمل کو بے نتیجہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے؟

لیکن بیشتر عملیات میں ایسی عسیر الحصول چیزوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اور منتر پڑھنے کے لئے استھان اور آسن کے متعلق ایسی سخت شرائط درج تھیں۔ کہ ان کا مطالعہ کسی مبتدی کے لئے ارمان انگیز نہ ہوسکتا تھا، گو ہم مستفید ہونے کے ارادے سے اسے پڑھنے نہ بیٹھے تھے۔ تاہم جہاں کسی عمل میں کوئی بات ہمیں اپنے بس سے باہر کی معلوم ہوتی تو اُس کا باقی حصہ پڑھنا ہمارے لئے دشوار ہو جاتا تھا + اسی طرح ہم نصف سے زیادہ کتاب پر سرسری نظر ڈال چکے تھے کہ ایک صفحے پر عنوان کی دلکشی دیکھ کر اور عمل کے متعلق چند ہی سطریں پڑھنے کے بعد ہم دونوں خود بخود سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اور زیادہ توجہ سے اس کو پڑھنے لگے +

یہ غیر مرئی دُنیا پر مسلط ہونے کا منتر تھا۔ اس میں کامیابی حاصل کرنے سے تمام ارواحِ خبیثہ کو اپنا مطیع اور بندہ بے دام بنایا جا سکتا تھا اور اس اطاعت کی حالت میں وہ عامل کے ہر حکم کی تعمیل پر مجبور ہو جاتی تھیں۔ اسی لئے اس منتر کو منتروں کے سرتاج کے نام سے یاد کیا گیا تھا +

گو اس قسم کی قدرت حاصل کرنیکے اور بھی کئی منتر کتاب میں درج تھے۔ لیکن اس عمل میں یہ خوبی تھی کہ اسکا طریقہ

بہت زیادہ دشوار اور صبر آزما نہ تھا۔ صرف ایک اندھیری رات میں مرگھٹ کو جانے اور پھر چالیس دن تک شہر سے باہر کسی ویران مقام میں روزانہ چند گھنٹے وظیفے اور مشاہدے میں صرف کرنیکی ضرورت تھی۔ اس کے بعد بآسانی جادو کی وہ ٹوپی ہاتھ آجاتی تھی جسے پہننے سے غیر مرئی دنیا کے دروازے کھل سکتے اور اتارتے ہی بند ہوجاتے ہیں +

ہم دونوں اسے پڑھ کر دنیائے خیال کی ایک سنہری کہر میں کھوئے گئے۔

لیکن ذرا سی دیر بعد ہم نے چونک کر زیادہ شوق سے اس کے متعلق مزید معلومات کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ نیچے لکھا تھا "اے عامل دُنیا کو چھوڑ کر اس منتر کو آزما۔ اور پہلے تپسیا سے غیر مرئی دنیا پر نظر ڈالنے کی برداشت ـــــ"

کالی چرن بولا "لیجئے۔ برداشت یہاں بھی آگئی"

میں نے کہا "ہاں اس کے لئے حوصلے کی ضرورت تو ہے"

کالی چرن بولا "کمزور آدمی کے لئے نہ ؟ اور جو پہلے ہی سنگدل مشہور ہو !"

میں نے پھر پڑھنا شروع کیا "تپسیا سے غیر مرئی دنیا پر نظر ڈالنے کی برداشت اور اپنی دُنیا میں واپس آنے کے لئے پُر قوت عزم پیدا کر۔ ورنہ پشیمان ہونے کی مہلت بھی نہ پائیگا +

یہ سن کر کالی چرن کچھ دیر کسی خیال میں کھویا سا رہا۔ آخر بولا "یا تو یہ سب کچھ غلط ہے۔ اور پھر یا یہ سب جھوٹی دھمکیاں لوگوں کا حوصلہ پست کرنے کی غرض سے زیادہ کردی گئی ہیں۔ ورنہ عملیات میں برداشت اور عزم ایسی اہم چیزیں معلوم نہیں ہوتیں +

میں بولا "یقین سے کیا کہا جاسکتا ہے !"

کئی راتیں اکٹھے بیٹھ کر ہم نے اس کتاب کو ایک ایک لفظ کرکے ختم کیا۔ لیکن غیر مرئی دنیا کا منتر اپنی سہولت اور اپنے بیش بہا فوائد کی وجہ سے ہمارے دل کو کچھ ایسا بھا گیا تھا۔ کہ پھر کوئی دوسرا منتر ہمیں زیادہ دلفریب نہ معلوم ہوسکا۔ چنانچہ ہم ہر روز مطالعہ ختم کر چکنے کے بعد ایک آدھ گھنٹہ اسی عمل کو شروع کرنے کے متعلق بحث بھی کرنے لگے + میں کہتا "جو کچھ چاچا کہتے تھے۔ وہی کتاب میں لکھا ہے۔ ایسی حالت میں تپسیا کے بغیر اس کام میں ہاتھ ڈالنا خطرے سے خالی نہیں +

کالی چرن ہنس پڑتا۔ اور کہتا "منتر اور عمل تو غیر مرئی ہستیوں کو متاثر کرنے کی غرض سے ہیں۔ مانا اور

بھلا یہ تپسیا کیوں؟ صرف اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لئے نہ؟ اپنے آپ کو کس بات کے لئے مضبوط کیا جائے؟ صرف اس لئے کہ اگر منظر برداشت سے باہر ہو تو ہاتھ اٹھا کر ٹوپی اتار دی جائے! کیا فضول ہے"

میں بہت زیادہ وہمی واقع ہوا تھا۔ نامعلوم خدشوں سے گھبرا کر کوشش کرتا۔ کہ یہ خیال ارادہ کی صورت اختیار نہ کرے۔ کہنا چاہتا "دیکھو تو ــــــ"

مگر کالی چرن بہت نڈر اور قوی طبیعت تھا۔ بات کاٹ دیتا " ارے بھئی بہت ڈرپوک ہو۔ یعنی یہ فرض کر کے کہ سب کچھ ہو جائیگا۔ خطروں سے ڈرتے بیٹھ گئے۔ اور اس بات کا خیال ہی نہیں۔ کہ نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ یا یوں ہی سب باتیں ہیں +

عمل شروع کرنے کے متعلق ہمارا ارادہ ابھی ڈانواڈول حالت ہی میں تھا۔ کہ اتفاق سے دیوالی کا تہوار آن پہنچا۔ کتاب میں دیوالی کی رات کو عمل شروع کرنے کے لئے خاص طور پر ترجیح دے رکھی تھی چنانچہ اس موقع کو جو پھر سال بھر سے پہلے نہ آسکتا تھا۔ ہاتھ سے جانے دینا مناسب نہ معلوم ہوا۔ اور یک لخت عمل شروع کر دینے کا تصفیہ کر لیا گیا +

دیوالی کی رات کو روشنیاں دم توڑ چکی تھیں۔ صرف کہیں کہیں کسی دیوار پر اِکّا دکّا چراغ آخری سانس لے رہا تھا۔ اور چند گھنٹے پیشتر کی جگمگاہٹ اور گہماگہمی کی یاد دلا کر نظارے پر حزن وملال برسا رہا تھا۔ کہ میں اور کالی چرن گھر سے نکل کر مرگھٹ کو روانہ ہوئے +

مرگھٹ ویران پڑا تھا۔ اندھیرے میں چند بجھتی ہوئی چتائیں کسی راکشس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں کی طرح گھورتی نظر آرہی تھیں۔ کاجل سی تاریکی میں طرح طرح کے پراسرار دھبے آوارہ تھے۔ جو ذرا ذرا سی دیر میں چکر لگا کر شیطانی ارواح کی صورتیں اختیار کر لیتے۔ دانت نکال دیتے اور وحشیانہ انداز میں ناچنے لگتے تھے۔ اور بلا کی خاموشی اور سناٹا تھا۔ مرجھائے ہوئے پتے ہمارے قدموں میں چرچڑ بول رہے تھے۔ لیکن اس عظیم سکوت میں ان کی آواز اتنی بلند معلوم ہوتی تھی جیسے تناور درختوں کے ٹہنے بوجھ کے مارے ٹوٹے جارہے ہوں۔ رہ رہ کر گیدڑوں کی چیخیں بین کی آوازیں بن کر کہیں دور سے آرہی تھیں۔ یا کبھی کبھی بھاری بھاری پروں کے پرندے درختوں کی تاریکی میں بے چین ہو کر پھڑ پھڑاتے اور اپنی جگہ بدل لیتے تھے +

میں ذرا دور سے ساکت وجامد کھڑا تھا۔ اور کالی چرن چتا کی مدھم سرخ روشنی میں مٹی کے کسی ٹوٹے ہوئے گھڑے کا ثابت گلا تلاش کر رہا تھا۔ اِدھر اُدھر بیشمار ٹھیکرے پڑے تھے۔ اور ان کے رگڑ کھانے اور آپس میں

ٹکرانے سے ایسی آواز پیدا ہو رہی تھی - جیسے غیر مرئی دُنیا میں کسی جلترنگ پر موت کا راگ بجایا جا رہا ہو ۔

بہت دیر کی تلاش کے بعد ٹھیکروں کے ڈھیر ہی سے ایک گھڑے کا ثابت گلا دستیاب ہو گیا اور اسے لیکر کالی چرن میرے پاس آیا - ہم جلد جلد قدم اُٹھا کر گھر روانہ ہوئے - مگر مجھے آبادی میں پہنچنے پر بھی یہی دھڑکا لگا رہا - کہ اس گھڑے کا گلا چھین لینے کو کوئی ہمارے پیچھے بھاگا چلا آ رہا ہے ۔

پہلا مرحلہ طے ہو گیا تھا - اب چالیس دن تک شام کو منتر جپنے اور ایک عمل میں مصروف رہنے کا کام باقی رہا تھا ۔

جب شام کی دھند میں کائنات افسردگی کی تصویر نظر آنے لگتی تو میں اور کالی چرن گھڑے کا گلا ساتھ لے کر شہر سے باہر نکل جاتے - اور پیپل کے درخت پر چڑھ کر کسی مضبوط ٹہنے پر بیٹھ جاتے - منتر پڑھنے کے لئے کتاب میں ایسا ہی مقام تجویز کیا گیا تھا - اور ہدایت تھی - کہ منتر پڑھنے کے دَوران میں اس گھڑے کے گلے میں سے راستوں پر مویشیوں کو گھر لوٹتے ہوئے دیکھا جائے ۔

کالی چرن ہلکے ہلکے منتر جپا کرتا - اور میں دم بخود بیٹھ کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر تکتا رہتا - کالی چرن کی گمبھیر آواز سے منتر کے الفاظ میں ایک عجیب وزن سا پیدا ہو جاتا - اور یہ معلوم ہوتا - جیسے ان ہی الفاظ کی ضرب سے رفتہ رفتہ رنگین دنیا پر رات کی تاریکی کا بوجھل نقاب اُترا آ رہا ہے ۔

کالی چرن یہاں بیٹھ کر اپنے آپ کو بھول جاتا - اور منتر کے ساتھ قوت ارادی اور توجہ سے اس قدر کام لیتا - کہ اسکے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ نکلتیں - منتر پڑھنے کے دَوران میں وہ آنکھیں بند کر لیتا لیکن ذرا ذرا سی دیر کے بعد کھولتا - اور مویشیوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر ڈالتا - منتر کی محنت سے اسکی آنکھیں سُرخ ہوتیں اور جب وہ ایک پل کیلئے اِدھر اُدھر دیکھتا - تو یہ معلوم ہوتا - جیسے دو انگارے اس جستجو میں ہیں کہ کسی چیز پر گر کر اُسے جُھلس ڈالیں ۔

کسان اپنے مویشیوں کو لے کر فراغت اور اطمینان کی تانیں اڑاتے ہوئے گھروں کو لوٹتے - کالی چرن ان کا گیت سُنتے ہی گھڑے کا گلا اُٹھاتا - اور اس میں سے مویشیوں کو دیکھنے لگتا ۔ یک لخت مویشیوں میں سے ایک بلند اور بے ترتیب شور و غوغا کی صدا بلند ہوتی - اور پھر وہ بیتاب ہو کر سر اور دُمیں ہلانے لگتے ۔ کسانوں کے گیت رُک جاتے - اور ایک مختصر سا سکوت طاری ہو جاتا - جس میں ہزاروں نامعلوم خطرات لرز رہے ہوتے ۔

کالی چرن حسب ہدایتِ عمل ختم کر چکنے کے بعد جے دھابیر کا ایک نعرہ لگاتا۔ اور اسکے بعد ذراسی دیر کو خاموش اور بےحس و حرکت بیٹھ جاتا + کانپتی ہوئی تاریکی میں کسان اور مویشی چُپ چاپ اس طرح چل کھڑے ہوتے جیسے کسی جنازے کے ساتھ جارہے ہوں + بہت دُور مکانوں میں سے دھوئیں کے کثیف اور سیدھے اور لمبے بادل اُٹھتے ہوئے یوں معلوم ہوتے جیسے کسی دیو نے حیرت کے مارے اپنی زبان باہر نکال رکھی ہے۔ مندروں کے گھنٹوں کی آوازیں بےبس اور ناتواں فریادوں کی طرح کانوں میں پہنچتیں +

جوں جوں چلہ ختم ہونیکے دن قریب آرہے تھے۔ بیتابیاں اور خدشے میرے دل کو پانی پانی کئے دیتے تھے۔ دن کی روشنی مجھے ایسی مصنوعی سی نظر آتی۔ جیسے سوگواروں کو دکھائی دیتی ہے۔ رات کی تاریکی بیشمار ہیبتناک شکلوں سے پٹی ہوتی۔ بالوں والے لمبے لمبے ہاتھ مجھے نیند سے جھنجھوڑ کر جگادیتے۔ لال لال پھٹی ہوئی آنکھیں تاریک گوشوں میں سے مجھُ کو گھورتیں بڑے بڑے سفید دانت مجھ پر ہنستے۔ اور بھاری بھاری اور مدقوق انسانوں کے سے قہقہے میرے کانوں میں گونجتے رہتے +

اور اسی حالت میں جب زندگی کا تار گھِستے گھِستے بیحد کمزور پڑگیا تھا۔ چالیسواں دن آن پہنچا۔ میں شام کے وقت مہینوں کے بیمار کی طرح سکڑا سکڑایا منہ سر لپیٹے پڑا تھا۔ اور آنکھیں کھولے اپنے دل کی بلند دھڑکن کو فکر سے سُن رہا تھا۔ کہ کالی چرن آن پہنچا + وہ خاموش اور بےحد متین نظر آرہا تھا لیکن اسکی آنکھوں میں ایک قسم کا عزم آہنیں تھا۔ کہ اسے دیکھتے ہی کسی طاقت نے مجھُے بٹھا کر میرے پاؤں زمین سے لگادئے۔ میں سنبھل کر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس نے حاکمانہ انداز میں مجھ سے چلنے کو کہا۔ اور میں اٹھ کھڑا ہوا +

میں کالی چرن کے ساتھ ساتھ جارہا تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ میں قوت صرف نہیں کر رہا۔ زمین خود بخود میرے قدموں کے نیچے سے سرکتی جارہی ہے + ایک شدید سنسناہٹ نے میری گوں کو محشرستان بنا رکھا تھا۔ اور ایک عجیب شور کی گونج میں میرے حواس کھوئے گئے تھے +

پیپل کے نیچے پہنچ کر مجھ پر موت کی سی بےبسی طاری ہوگئی۔ اور اگرچہ ایک ناتواں تمنا مجھے اوپر چڑھنے پر اُکسا رہی تھی۔ لیکن مجھُ سے قدم نہ اُٹھایا گیا۔ اور میں جیسے ہوش اور موت کی آخری حد پر پہنچ کر ڈھیر ہوگیا +

کالی چرن بےباکانہ انداز میں درخت پر چڑھ گیا۔ اور ذرا سی دیر میں اسکے منتروں کی دھیمی دھیمی

آوازیوں میرے کانوں میں پہنچنے لگی۔ جیسے موت کے اُس پار سے آ رہی ہو۔

کچھ دیر بعد ایک کسان کا گیت دور سے لرزتا ہوا آیا۔ جس سے میری ہڈیوں کا مغز تک جم کر رہ گیا۔ اور مجھ پر نزع کے انتہائی کرب کی حالت طاری ہوگئی۔ اسی وقت شاید کالی چرن نے گھڑے کے گلے میں سے مویشیوں کو دیکھا ہوگا۔ اور کتاب کی تحریر کے بموجب اسے کسی مویشی کے سینگوں پر ایک بونا جادو کی ٹوپی پہنے نظر آیا ہوگا، مویشیوں کی فلک شگاف فریاد کے درمیان مجھے کالی چرن کا جے مہابیر کا نعرہ سُنائی دیا۔ وہ درخت سے کودا اور بونے کے سر پر سے ٹوپی اُتارنے کو مویشیوں کی طرف سرپٹ بھاگا۔ ذرا سی دیر میں ایک زہرہ گداز کڑک طبقات زمین میں سے نکل کر جیسے آسمان کو پارہ پارہ کرنے کے لئے چلی۔ اس کے بعد مجھے کچھ معلوم نہیں۔ کہ کیا ہُوا۔

جب میں ہوش میں آیا۔ تو اپنے گھر میں تھا۔ اور کالی چرن میرے سرہانے بیٹھا میرے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ نہ جانے اس چالیس دن کی ریاضت سے اس میں کیا اثر پیدا ہوگیا تھا۔ کہ اس سے نظریں چار ہوتے ہی مجھے اپنے بدن میں قوت کی لہریں دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری نظروں میں سوال دیکھ کر اس نے خود ہی کہا "مل گئی"

اگرچہ میرا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مگر اعصاب پر سے ایک بوجھ سا اُٹھ گیا۔ میں نے پوچھا "کیا کچھ ہُوا تھا؟"

اس نے بتایا۔ میں نے گھڑے کے گلے میں سے جب مویشیوں کو دیکھنا شروع کیا تو مجھے انکے درمیان ایک جسیم اور خوفناک بیل دکھائی دیا۔ جس کے بڑے بڑے سینگوں پر چار برس کے بچّے کے قد کا ایک بڈھا بیٹھا ہُوا تھا۔ اس کا چہرہ ایسا تھا۔ جیسے مجوّف آئینے میں انسان کی شکل لمبوتری سی نظر آتی ہے۔ نقش و نگار بندر کے سے تھے۔ صرف آنکھیں بلّی سے مشابہ معلوم ہوتی تھیں۔ ڈاڑھی یوں کھڑی تھی۔ جیسے خارپشت کے بال۔ اور اس نے اپنے دُبلے پتلے ہاتھوں سے ٹوپی کو اپنے سر پر دبا رکھا تھا۔ اور گھبرائی گھبرائی نظروں سے اِدھر اُدھر تک رہا تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی درخت پر سے کُودا۔ اور اس کی طرف بھاگا۔

بونے نے اپنی بلّی سی آنکھیں چمکا چمکا کر اور اپنے سُوکھے ہُوئے ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے ڈرانا چاہا۔ مگر میں دندناتا بڑھتا چلا گیا۔ اور جاتے ہی ٹوپی اسکے سر پر سے اتار لی۔ اسکے اُترتے ہی وہ نظروں سے غائب ہوگیا۔

یہ کہہ کر کالی چرن نے اپنی کوٹ کے اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور اس میں سے ایک بڑا رومال نکال لیا۔ اسے کھولا تو اس کے اندر ایک چھوٹی سی مخروطی وضع کی ٹوپی رکھی تھی۔ یہ ٹوپی انوکھی شکل کے موتیوں سے بنی ہوئی تھی۔ جو اس قدر صاف وشفاف تھے۔ کہ ابھی دکھائی دے رہے ہیں اور پلک جھپکنے میں نظر سے اوجھل ہو گئے۔ غور سے دیکھنے پر ان موتیوں میں عجیب وغریب شکل کے ننھے ننھے ذرے برقی رو کی تیزی سے گھومتے ہوئے نظر آتے تھے۔

ٹوپی کو سامنے دیکھ کر میں اسے تکتے کا تکتا رہ گیا۔ کالی چرن خاموش تھا۔ اور بے معنی خیالات کا ایک محشرستان میرے دماغ کی دیواریں توڑ کر پھوٹ بہنا چاہتا تھا۔

ذرا سی دیر کے بعد کالی چرن نے آہستہ سے کہا" اور اب اسے پہننے سے تمام ارواح خبیثہ میرے ہر حکم کی تعمیل پر کمربستہ ہو جائیں گی۔

میں نے چونک کر کہا" نہیں نہیں!

کالی چرن مسکرا کر پوچھنے لگا" کیوں؟"

اس کے موجودہ اطمینان اور گزشتہ عمل کے درمیان اس کی جرأت کا خیال کر کے میں کوئی دلیل نہ دے سکا" نہیں نہیں۔ اس کو پہننا نہیں!"

کالی چرن بولا" تو میں نے یہ تمام محنت کسی عجائب خانے کو زینت دینے کی غرض سے کی تھی؟ اب کہ میری زبان کے الفاظ زمین کے اندر کی عجائبات اور آسمان کے اس پار کے نظارے تک میری آنکھوں کے سامنے کھول کر رکھ سکتے ہیں۔ ابتدا اور انتہا صرف میرے اشاروں کا نام بن سکتا ہے۔ میں اسکو استعمال میں نہ لاؤں؟"

میں نے کہا" کالی چرن! مگر تپسیا برداشت، عزم ؟"

ٹوپی حاصل کر لینے کی کامیابی ایک نشہ بن کر اس کے دماغ پر چھا رہی تھی۔ اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ٹوپی پہن لینے اور اتار دینے میں تپسیا کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ دوست خوابوں کا زمانہ گزر چکا۔ تعبیر کا وقت آگیا ہے۔ اپنے تخیل کو ہوا کی طرح آزاد چھوڑ دو۔ آرزو کرو۔ تمنائیں بتاؤ۔ اپنے فائدے کے لئے نہیں محض لطف کے لئے۔ تفریح کے لئے۔ مقناطیس لوہے پر ایسی جلدی اثر نہیں کرتا۔ جیسی سرعت سے تمہاری زبان کے الفاظ تمہارے ارمانوں کا سامان بہم پہنچا دینگے۔"

وہ خلافِ عادت بہت دیر تک بولتا اور کامرانی کی مسرت کو پرتکلف الفاظ میں بیان کرتا رہا۔ کوئی میرے دل میں کہہ رہا تھا۔ کہ اس کی برداشت کی حد آگئی؛ یا یہ اپنی اسی جرأت سے غیر مرئی دُنیا کو بھی مسخر کر ڈالیگا۔ لیکن میں ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا۔ کہ وہ سبک انداز سے اٹھ کھڑا ہُوا۔ بولا "میں جاتا ہوں۔ اپنے اور تمہارے لئے عیش جاودانی کا سامان مہیا کرنے کو۔ اور خواہ وہ غیر مرئی دُنیا کے مہیب ترین شیطانوں کے پنجے میں کیوں نہ ہو۔ میں ان سے چھین کر ابھی لاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر اس نے ہنستے ہنستے ٹوپی اٹھائی اور بانکپن کی ایک ادا کے ساتھ اپنے سر پر رکھ لی۔

میرے دل کی دھڑکن تھم گئی۔ اور امید و بیم کی ایک دُنیا سمٹ کر اس ایک پل میں سما گئی۔

لمحے بھر میں اسکے چہرے پر دہشت کے آثار نمایاں ہونے شروع ہُوئے۔ اور اس نے ایک زور کی چیخ ماری۔ کسی پوشیدہ طبعی جد و جہد سے اس کا چہرہ انگارہ اور تمام جسم پسینے سے شرابور ہونے لگا۔ آنکھوں کے ڈھیلے ابل کر باہر نکل آئے۔ زبان جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی۔ اور بھرآئے ہُوئے گلے میں سے ایک کانپتی ہُوئی حیوانی فریاد نکلی۔ اپنے ہاتھ اُٹھانے کے لئے اس نے دیوانہ وار جد و جہد کی۔ مگر وہ جیسے فالج سے ناکارہ ہو گئے تھے۔ اور اس انتہائی کرب کے عالم میں وہ مٹ رہا تھا۔ کرب سے سُرخ نیلے چہرے۔ پھٹی پھٹی بے نور آنکھوں اور مدھم گلوگیر چیخوں کے ساتھ ایک مرجھائی ہوئی تصویر بن کر فضا میں تحلیل ہُوا جا رہا تھا!

میں پتھر کا بت بن کر اس ہولناک اور روح فرسا نظارے کو دیکھ رہا تھا۔ اور جو کچھ ہو رہا تھا۔ اسے پوری طرح سمجھنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ کالی چرن غیر مرئی دنیا میں جذب ہو کر رہ گیا۔

یک لخت کسی طاقت نے بے شمار مرتبہ میرے مُنہ سے کالی چرن۔ کالی چرن نکلوا دیا۔ لیکن بے سود۔ میں ہمہ تن چشم تھا۔ کہ اب اس نے غیر مرئی دُنیا میں اپنی ٹوپی اتاری۔ اور وہ نظر آیا۔ اس مقام کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ جہاں وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ صرف یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ کرب و نزع کی چند دبی ہوئی چیخیں۔ فضا کا لرزاں نقاب پھاڑ کر باہر نکل پڑنا چاہتی ہیں۔

سید امتیاز علی تاج

نوائے آدم

نُور ہوں، نُور کا سیلاب اُگلنا ہے مجھے
صُورتِ چشمۂ خورشید اُبلنا ہے مجھے

نہ سمائے گا یہ طوفانِ تمنّا دل میں
بادۂ تُند ہوں شیشہ سے اُچھلنا ہے مجھے

پھیل کر دونوں جہانوں پہ میں چھا جاؤنگا
شاخِ نورس ہوں، ابھی پھولنا پھلنا ہے مجھے

وضعِ عالم سے دبا ہوں نہ دبوں گا میں کبھی
کیونکہ آئینِ دو عالم کو بدلنا ہے مجھے

منفعل کیوں ہو مری ہمّتِ عالی مجھ سے
مجھ کو معلوم ہے گر گر کے سنبھلنا ہے مجھے

نہ تڑپ اس قفسِ تنگ سے آخر اے دل!
چیر کر پہلوئے گیتی کو نکلنا ہے مجھے

مضطرب میرے لئے برقِ تجلّی کیوں ہے
حاصلِ عشق ہوں ہر حال میں جلنا ہے مجھے

حامد علی خاں
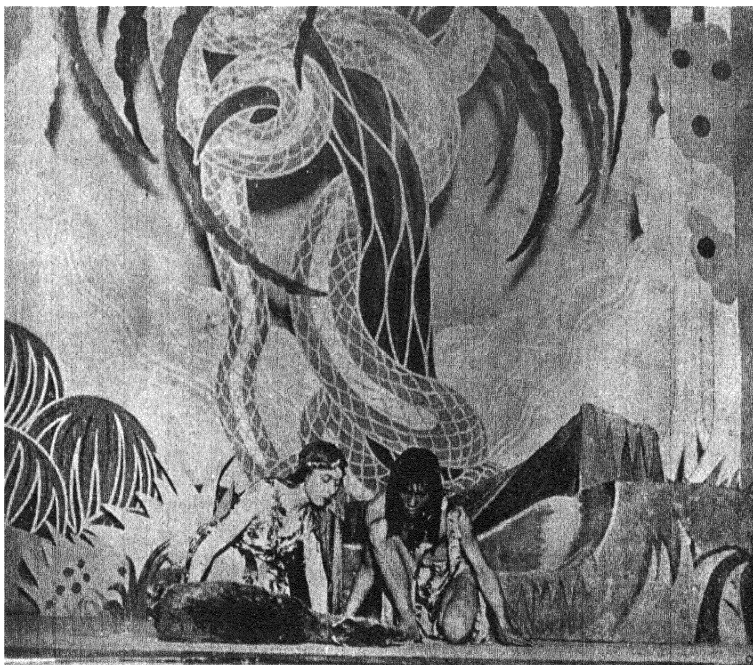
آدم وحوا کا مغربی تصور

پہلا قدم
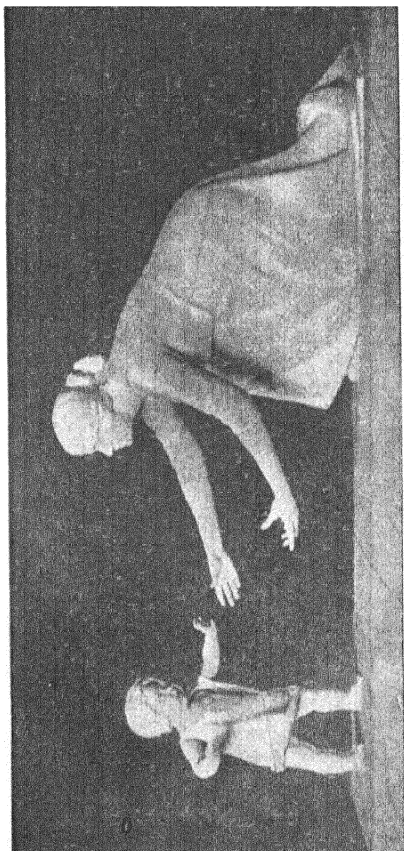
پہلا قدم

آ اے مرے پیارے آ　　اے راج دُلارے آ
آ پاس مرے چل کر
اے نُور کے پارے آ　　اے حق کے شرارے آ
اے آنکھ کے تارے آ　　اے جاں کے سہارے آ
اے چاند ہمارے آ　　اے راج دُلارے آ
آ پاس مرے چل کر

کچھ تجھ کو بتاؤں میں؟　　کچھ تجھ کو سناؤں میں؟
اب مجھ کو ہُوا معلوم
پھُولوں میں مہک کیوں ہے؟　　بلبل میں چہک کیوں ہے؟
شیریں ہیں ہوائیں کیوں؟　　دلکش ہیں صدائیں کیوں؟
سُورج میں چمک کیوں ہے؟　　تاروں میں دمک کیوں ہے؟
اب مجھ کو ہُوا معلوم

اب مجھ کو ہُوا معلوم
تُو پھُول ہے عصمت کا　　بلبل ہے تُو راحت کا
جنت کی ہوا ہے تُو　　خالق کی صدا ہے تُو
سُورج ہے صداقت کا　　تارا ہے محبت کا
آ اے مرے تارے آ
آ آ مرے پیارے آ

د۔ ب

اقوال و افعال

حیاتِ انسانی کا تجزیہ سُکھ سنچارک کارخانہ میں کیا جائے۔ یا یونانی و ویدک دواخانہ میں، اُس میں سے اقوال و افعال کے سوائے کوئی تیسری چیز برآمد نہ ہوگی۔ خواب کی مدت جو فارغ البالی کے ساتھ عمرِ محدود کے دو تہائی حصہ تک اکثر پہنچ جاتی ہے۔ یا تو تعریفِ حیات سے یکقلم خارج کر دینے کے قابل ہوگی۔ یا بہ دلائل و براہین افعال کی تحت میں لائی جائیگی۔ بہرحال حیاتِ انسانی محض قول و فعل کے مفردات سے بننے والی معجونِ مرکب قرار پاتی ہے، ممکن ہے کہ انسان کے دوپایہ ہونیکی اصلی وجہ یہی ہو ٭

حیوان کی زندگی، از ابتدا تا انتہا، سلسلۂ افعال نظر آتی ہے جس میں قول کا عنصر تقریباً مفقود ہوتا ہے، انسان کی زندگی الف سے ی یک محض اقوال کی داستاں ہونی چاہیئے جس میں فعل کا عنصر حتی الامکان عنقا ہو، قول کو فعل پر غلبہ و کثرت حاصل ہونا حیاتِ انسانی کی شانِ امتیاز ہے ٭

واقعات کی بنیاد افعال پر ہوتی ہے اور افعال حیوانیت کا عنصرِ غالب ہیں۔ اس لئے انسانی اقوال کا واقعات سے کوسوں دور ہونا عینِ انسانیت ہے، مقولہ کی پہلی خوبی یہ ہے کہ وہ واقعیت سے دُور ہو۔ اسی کو نزاکتِ قول کہتے ہیں ٭

شکر کا مقام ہے کہ تہذیب یافتہ انسان اکثر و بیشتر "زنگی" "کو" "کافور" کے نقب سے پکارتا رہا ہے آپکو اگر اس میں کلام ہو تو کسی یک چشم، کو "کانا" کہہ کر پکار دیجئے۔ یا پھر کسی دل لبھانے والی شکل کو "نازنین" کہہ دیکھئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نکٹے کو ناک والا، کالے کو گورا، اور رات کو دن کہنا عین تہذیب ہے ٭

سب سے پہلا قول جو حیاتِ انسانی کے ساتھ، نیلام شدہ اشیاء کے لیبل کی طرح، نتھی کیا جاتا ہے اُسکا نام ہوتا ہے، جو عموماً نزاکتِ قول۔ یا تہذیبِ انسانی کی بدولت، نو وارد ہستی کی ظاہری شکل و صورت کے متضاد ہوتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ۔ اسم کو مسمیٰ سے بظاہر دو چار لپشت کے فاصلہ کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ مگر اس گریز واقعیت سے نزاکتِ نام پر کوئی حرف نہیں آسکتا ٭

منشی لال کے نام سے موسوم ہونے والی ہستی اکثر شرمندۂ حروف شناسی بھی نہیں ہوتی اور علیم الدین کی ذات بابرکات بیشتر غرقِ جہالت ہی رہتی ہے۔ تاہم اسم و مسمّیٰ میں صنعتِ تضاد کا لطف باقی رہتا ہے

کلکٹر سنگھ اکثر تحصیل کے چپراسیوں کے ہاتھ سے بیگار کے خوشگوار موسم میں خوب خوب درست ہوتے رہتے ہیں اور پہلوان خاں دمہ کے عارضہ کی بدولت تمام رات محلہ والوں کو اپنی کھُر کھُر سے جگایا کرتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اسم و مسمےٰ میں واقعیت کا تعلق ہونا قطعی ضروری نہیں ؛

اسی سلسلہ میں مجھے ایک واقعہ یاد آجاتا ہے جس کو میں کئی برس کی کوشش کے بعد بھی آجتک اپنے حافظہ سے مٹا نہیں سکا ہوں۔ ایک بے تکلف صحبت میں، ایک نووارد شخصیت نے دریافت کئے جانے پر اپنا نام حیدر کرار بتایا۔ اس غیر معمولی نام کے علم پر خواہ مخواہ تجسس کو تحریک ہوئی اور آدھی درجن متعلق و غیر متعلق سوالات کے بعد حیدرِ کرار نے بتایا کہ اُنکے ایک اور بھائی بھی ہیں جن کا نام جعفرِ طیار ہے۔ اس دوسرے نام نے تمام حاضرین کی قوتِ تلاش کو ایک ناقابلِ برداشت مہمیز لگایا پوچھا گیا کہ اُنکے والدِ ماجد کا نام نامی کیا ہے؟ جواب ملا کہ " احمدِ مختار"۔ یہ جواب توسنِ تجسس کے لئے ایک اور تازیانہ تھا۔ فوراً سوال کیا گیا کہ " جناب کے جدِ امجد کا اسمِ گرامی کیا ہے؟" جواب ملا کہ "عاشقِ عباس" اس آخری بے جوڑ نام نے تمام متلاشی دماغوں کو مایوس کر دیا۔ کیونکہ اس میں نہ تو نسبتِ تاریخ اسلام باقی رہتی تھی اور نہ شانِ قافیہ۔ اسی مایوسی کے لمحہ میں ایک زندہ دل نہایت متانت و ادب کے ساتھ حیدرِ کرار سے مخاطب ہوئے :- " جناب! غالباً اپنے جدِ امجد کے اسمِ گرامی کے متعلق آپکے حافظہ سے غلطی سرزد ہوتی ہے۔ میرے خیال میں اُنکا نام نامی پاک پروردگار ہوگا " یقین مانئے! تمام صحبت اس بیساختہ و برمحل جملہ سے گرما گئی۔ حیدرِ کرار صاحب نے کسی طرح اپنے حافظہ کے نقص کا اقبال نہیں کیا اور برابر بضد رہے کہ انکے حافظہ کو ابوالفضل کے دماغ سے نسبت پوشیدہ حاصل ہے۔ مگر مجھے آجتک یقین ہے کہ اُنکے جدِ امجد کا نامِ نامی یا تو فی الحقیقت " پاک پروردگار " ہی ہوگا۔ اور یا۔ بفرضِ محال، کسی آفتِ ارضیٰ سماوی کی وجہ سے اُنکے والدین سے، عجلت میں، یہ نام نہ رکھ سکنے کی غلطی سرزد ہوئی ہو۔ تو بھی اُن کے جدِ امجد کی روح نے اُس روز سے ضرور اپنا نام تبدیل کر لیا ہوگا ؛

نام کے متعلق یہ حیلۂ شرعی پیدا کیا جا سکتا ہے کہ نام رکھے جانے والی ہستی کی رائے کو اُس میں دخل نہ تھا۔ گویا انسان کا نام بھی تقدیرِ مُبرم کی طرح اختیاری نہیں بلکہ جبری معاملہ ہے جو ہمیشہ والدین کے اختیارِ قطعی کے زیر اثر وجود میں آتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جبری ناموں کے علاوہ اختیاری ناموں میں بھی یہی شان نظر آتی ہے۔ اختیاری نام سے میرا مطلب اُس خود ساختہ لقب سے ہے جو انسان اپنے سنِ شعور سے

متجاوز ہو جانیکے بعد خود اختیار کر لیتا ہو۔ ایسے خود ساختہ نام، لقب سے لیکر تتمۂ نام تک ہر تعریف میں آسکتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہوں، اسم بامسمٰی ہونا اُن میں بھی مفقود ہوتا ہے، مثال کے طور پر ایسے اضافی دُم چھلے پیش کئے جاسکتے ہیں جو اکثر و بیشتر کسی ذات یا قبیلہ کی بناء پر وجود میں نہیں آتے میرے ایک عنایت فرما اپنے نام کے ساتھ شمسی لکھتے ہیں، حالانکہ نہ تو وہ شمس تبریز کی اولاد میں ہیں اور نہ سورج بنسی خاندان سے اُنکا کوئی تعلق ہے؛ ممکن ہے کہ نظامِ شمسی کو اُنکے وجود میں آنے سے کوئی غیر معمولی تعلق ہو۔ ایک اور صاحب اپنے نام نامی کو "سُریانی" پر ختم کرتے ہیں؛ بظاہر اُنکو عبرانی و سُریانی سے موجودہ جنم میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا ممکن ہے کہ اُنکی پیدایش کے وقت سب سے پہلا نالہ جو اُنکی زبان سے نکلا ہو، بہ لحاظ موسیقی، بھیرویں۔ یا سوہنی کے سُروں میں ہو اور یہی اُنکے لقب کی خاص وجہ ہو، ان اسمائے اختیاری کے تحت میں وہ تمام القاب آجاتے ہیں جو آئے دن مُصنّفین و شعراء اپنے لئے وضع فرماتے رہتے ہیں۔ یا دیدہ و دانستہ اپنے مداحین سے وضع کراتے رہتے ہیں۔ یہ فعل خلافِ وضعِ فطری نہ ہونیکی وجہ سے کچھ زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا۔ اس قسم کے اختیاری۔ یا اشتہاری ناموں کیلئے چند الفاظ۔ بہ اضافۂ موزوں۔ اکثر و بیشتر مستعمل ہونیکی صلاحیت رکھتے ہیں، مثال کے طور پر "مصوّر"، "مُلاّ" اور "سیوک"۔ کو لیجئے۔ مصوّر کی ذریات اسقدر غیر محدود ہے کہ آپ "مصوّرِ کائنات"، "مصورِ مصنوعات"، "مصورِ احساسات"، "مصورِ شادیٔ بارات" حتیٰ کہ "مصوّرِ خرافات"، جو چاہیں حسب مرضی پسند فرما سکتے ہیں۔ مُلاّ میں یہ خوبی ہے کہ بلا کسی اضافہ کے پیدائشی نام کے کسی جزو کے ساتھ مستعمل ہوکر بھی وقار پیدا کرسکتا ہے اور مناسب اضافہ کے ساتھ مل کر بھی، مثلاً آپ کا اسمِ مبارک احمد حسین ہو تو آپ مُلاّ احمدی بن سکتے ہیں۔ یا اگر یہ پسند خاطر نہ ہو تو اپنے شعور تحریر کے لحاظ سے مُلاّ شعوری کا جامہ پہن سکتے ہیں۔ "سیوک" کی فہرستِ مُشتقات بھی کافی سے زیادہ طویل نظر آتی ہے۔ "دیش سیوک"، "دھرم سیوک"، "سنگھٹن سیوک"، "یہ سیوک"، "وہ سیوک"، جو چاہیئے حسب استطاعت اختیار کر لیجئے۔ ان اقسام کے علاوہ، عربی نژاد ترکیب یہ بھی ہے کہ آپ خود ساختہ کُنیّت استعمال فرمائیں اور "ابوالبشر"، یا۔ "ابو اللسان"۔ سے لیکر "ابن الجمال" یا "ابن الوقت" تک جو چاہیں بن جائیں۔ ان اختیاری القاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انکے ساتھ نامزد ہونیکے لئے نہ عقیقہ کی حاجت ہے نہ رجسٹری کی ضرورت۔ آپ جاڑے، گرمی، برسات۔ ہر موسم میں یکساں آسانی کے ساتھ بلا شرکت غیرے، بہ رضا و رغبت اختیار کرسکتے اور شہرت دے سکتے ہیں۔ ایسے

اختیاری ناموں کا بھی اسم بامسمیٰ نہ ہونا قول و فعل کے اختلاف کی ایک اور زندہ مثال سمجھنی چاہیئے ۔

واقعہ یہ ہے کہ تہذیب انسانی کا دارومدار اسی پر ہے کہ قول کو فعل پر غلبہ و کثرت حاصل ہو اور دونوں کے درمیان خلیج بنگالہ سے زیادہ تفاوت ہو۔ انسان کے قول و فعل کی یکسانی، یا ان دونوں میں لازم و ملزوم کی نسبت۔ اُس کے نیم وحشی ہونیکی علامت ہے ۔

مشاہدہ بتاتا ہے کہ حیوان اپنے مختلف احساساتِ جسمانی کے اوقات میں خاص قسم کی آواز نکالتا ہے اور وہ ہمیشہ ایک سی ہوتی ہے ۔ یہ آسانی کے ساتھ پہچانا جا سکتا ہے کہ چیخنے والا حیوان تکلیف میں مبتلا ہے، بھوکا ہے یا غصہ میں ہے۔ انسان اسکے بالکل برعکس غصہ کے وقت تمسخر کے چشم و ابرو بناتا ہے اور رقیب کی تذلیل سے پیدا ہونے والی مسرت کے عالم میں تاسف و ہمدردی کا اظہار کرتا ہے ۔

انسانیت متقاضی ہے کہ مصیبت کے وقت آہ و بکا نہ کرو۔ یا خوشی کے عالم میں جامہ سے باہر نہ ہو جاؤ۔ تہذیب اسی راستہ پر چند قدم آگے بڑھ جاتی ہے اور ارشاد فرماتی ہے کہ رونے کے وقت ہنسو، ہنسنے کے وقت روؤ، سیاہ کو سفید کہو اور رات کو دن بتاؤ ۔

اس ارشادِ تہذیب کے متعلق مخالفتِ فطرت کا الزام ایک نیم وحشی دل و دماغ ہی لگا سکتا ہے، مہذب انسان سے یہ حماقت سرزد نہیں ہوگی۔ آپکو اگر اس میں پس و پیش ہو تو سمجھا دیجئے کہ انسان کا اپنے کسی حصۂ جسم کے بال مونڈ ڈالنا کس طرح مخالفتِ فطرت نہ سمجھا جائے ؟

جس طرح تہذیب کے زیرِ اثر آپ اپنے ہاتھ کو قلم استعمال کرنیکا عادی بناتے ہیں۔ جو ایک وحشی کے نقطۂ نگاہ سے خلافِ فطرت سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ آپ اپنی زبان کو بھی اُسی تہذیب کے زیرِ سایۂ سیاہ کو سفید بنانیکا عادی نہ بنائیں۔ اور ان مہذب عادات کے اجراء و قیام کے ساتھ اُن کا فطرتِ ثانیہ بن جانا یقینی ہے پھر اس فطرتِ ثانیہ کے ساتھ آپکا زاویۂ نظر بھی جادہ سے منفرج ہو کر رہیگا ۔

وحشی دنیا سمجھتی ہے کہ مےخواری افلاس کا پیش خیمہ ہے۔ مہذب دنیا کہتی ہے کہ افلاس مےخواری کی تمہید ہے۔ فرقِ معتقدات محض تنگی و کشادگیٔ زاویۂ نظر پر مبنی ہے۔ ورنہ واقعیت سے دونوں مقولے کوسوں دور ہیں۔ واقعیت صرف اسی قدر ہے کہ افلاس و مےخواری دونوں یکساں طور پر فطری

ہیں! وحشی دماغ کا شعار "دست خود دہانِ خود" پر مبنی نظر آتا ہے۔ اور مہذب کھوپری کا وطیرہ "دستِ خود وکلۂ مدعی" ثابت ہوتا ہے۔ ایک کو دوسرے پر فوقیت دینا کسی قدر مشکل ہے ؛

بہر حال، قول و فعل میں ٹمبکٹو اور ٹوٹی کورن کا بُعد ہونا درحقیقت انسانیت کی شانِ امتیاز ہے۔ مہذب ترین انسان وہ ہے جس کی زندگی فعل کے عنصر سے حتی المقدور خالی ہو۔ تہذیب انسانی کا منشاء ہے کہ کہا جائے اور صرف کہا جائے ؛

اس اصول پر، عقلِ سلیم کی امداد کے ساتھ کاربند ہو کر آپ بفضلہٖ انجمن بین الاقوام کے ممبر سے لیکر نیشنل پارٹی کے ممبر تک، یا لائیڈ جارج سے لیکر فرمانروائے حجاز تک سب کچھ بن سکتے ہیں، نامساعدتِ آب و ہوا کی صورت میں، اور کچھ نہیں تو سنگھٹن کی کرسی تو یقیناً لے سکتے ہیں ؛

اس تمام عقلی و نقلی دلیل کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ آپ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ "انسان کا مابہ الامتیاز صرف نطق ہے، اُس کا مقصدِ حیات محض بکواس ہونا چاہیئے"؛

سلطان حیدر جوشؔ

مجھ سے یہ نہ پوچھ

مجھ سے یہ نہ پُوچھ کہ میں تجھ سے کس لئے محبت کرتا ہوں؟ مجھے صرف یہ بتا کہ تجھے میری محبت کا علم ہے؟

یہ میں جانتا ہوں کہ مجھ میں بہت سی کمیاں ہیں لیکن اگر مجھ میں کوئی خوبی ہے تو مجھے بتادے ـــ کہ میری بہت سی کمیاں فقط میرے لئے ہیں لیکن میری کوئی سی خوبی محض تیرے لئے!

میری کمیوں کو تُو اپنی محبت سے پُورا کر اس لئے بھی کہ پھر شاید تو مجھے اپنی محبت کے قابل سمجھنے لگے ؛

"باغباں"

پادشاہ مرگیا، پادشاہ زندہ باد

اُس کمرہ میں جہاں بادشاہ اپنے بستر مرگ پر پڑا دم توڑ رہا تھا، کچھ زیادہ خاموشی نہ تھی لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ مضطربانہ انداز سے ایک دوسرے کے کانوں میں باتیں کرتے ہُوئے دبے پاؤں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ جہاں لوگوں کا ایک ہجوم اس کوشش میں مصروف ہو کہ زیادہ شور نہ ہونے پائے، وہاں ایک قسم کی گھبراہٹ پیدا ہوجاتی ہے، جس کی تاب بیمار آدمی نہیں لاسکتا +

لیکن اب اس میں کیا مضائقہ تھا۔ ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ اب اسکی قوتِ سماعت بالکل سلب ہوچکی ہے۔ اور اس نے بھی اپنی سماعت کا کوئی ثبوت نہ دیا تھا، ورنہ اسکی نوجوان خوبصورت بی بی کی سسکیاں جو اُسکے بستر کے قریب بیٹھی ہُوئی تھی ضرور اُسے متاثر کرتیں +

کئی دن تک اس بات کا خاص اہتمام رہا کہ کمرہ زیادہ روشنی سے محفوظ رکھا جائے۔ لیکن اب اس پریشانی اور اضطراب میں کسی کو دروازوں کے پردے کھینچنے کا خیال بھی نہ آیا کہ اس کی کمزور آنکھیں تیز روشنی کے تکلیف دہ اثر سے محفوظ رہیں، لیکن اب اس میں کیا مضائقہ تھا۔ ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ اب اس کی قوتِ بصارت بالکل سلب ہوچکی ہے +

کئی دن تک اس بات کا خاص التزام رہا کہ بجز اسکے تیمارداروں کے دوسرا کوئی شخص اسکے کمرہ میں داخل نہ ہونے پائے۔ آج ہر شخص کے لئے دروازہ کھُلا تھا، لیکن اب اس میں کیا مضائقہ تھا۔ ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ اب اس کی قوتِ شناخت بالکل سلب ہوچکی ہے +

وہ بہت دیر تک بستر پر اپنا ہاتھ پھیلائے اس طرح پڑا رہا گویا اسے کسی چیز کی تلاش ہے۔ ملکہ نے محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، لیکن اس کی طرف سے جواب میں کوئی گرمجوشی ظاہر نہ ہوئی آخر اس کا منہ اور اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور اس کی قلب کی حرکت رُک گئی +

لوگ دھیمی آوازمیں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ دیکھو وہ کتنا حسین معلوم ہوتا ہے اسکے چہرہ پر نور برس رہا ہے +

رفتہ رفتہ بادشاہ پر ایک خاص حالت طاری ہوئی، ہر طرف خاموشی چھا رہی تھی اس نے دل میں کہا کتنا دلفریب اور خوشگوار سکوت ہے۔ کس قدر دلفریب اور خوشگوار تاریکی ہے، اس کی طبیعت میں ایک عجیب سکون پیدا ہو گیا جس کی کیفیت معرضِ بیان میں نہیں آسکتی اس کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہشت میں پہنچ گیا ہے۔ اس کا کمرہ پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا، اور رات کی سرد اور خوشگوار ہوا ایک کھلی ہوئی کھڑکی میں سے اندر داخل ہو رہی تھی کمرے میں مومی بتیوں کی ہلکی ہلکی روشنی پھیل رہی تھی بادشاہ کا جسم مخمل کی ایک چادر سے ڈھکا ہوا تھا، صرف اسکا سر اور چہرہ نظر آتا تھا، چار یا پانچ آدمی اس کی حفاظت پر متعین تھے، لیکن وہ سب گہری نیند سو رہے تھے۔

اطمینان کی یہ کیفیت جس کا اُسے تجربہ ہوا اس قدر عمیق تھی کہ وہ خود اس میں خلل انداز ہونے سے ہچکچاتا تھا۔ ایک عرصہ تک اُسکے لئے ذراسی جنبش بھی حرام رہی۔ آخر محل کے بڑے گھڑیال نے گیارہ بجائے۔ اس وقت وہ اُٹھ بیٹھا۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ کے آثار اس کے چہرہ سے نمایاں ہو رہے تھے۔

اسے وہ وقت یاد آیا جب اُسکے حواس رفتہ رفتہ اُسے جواب دے رہے تھے۔ اور اُس نے قضا کے اس ظلمِ عظیم کے خلاف جو اسے ایک ایسی ساعت میں دنیا سے علیحدہ کر رہا تھا جب کہ دنیا کو اس کی شدید ترین ضرورت تھی، اپنی تمام قوتیں جمع کر کے دادطلبی کے لئے ایک آخری کوشش کی تھی۔ اس وقت اس کے کانوں میں یہ آواز آئی تھی کہ "موت کے بعد تجھے ایک گھنٹہ کی مہلت ملیگی۔ اگر اس مہلت کے اندر تو تین ایسے نفوس پیش کر دے جن کو تیری زندگی کی خواہش ہو، تو پھر تو زندہ رہیگا"۔

یہ وہی گھنٹہ تھا جسکی مہلت وہ بدقتِ تمام موت سے حاصل کر سکا تھا۔ وہ ایک نیک نہاد حکمراں تھا، وہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے شب و روز کام کرتا رہا تھا۔ اب اسے کسی قسم کا خدشہ نہ تھا۔ اُسے زندگی کی مسرتوں کا احساس تھا، اور اس وقت یہ احساس اَور بھی زیادہ عمیق ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی زندگی کی خواہش خودغرضی پر مبنی نہ تھی۔ وہ اپنی رعایا کی بہتری کے لئے جو کام شروع کر چکا تھا وہ ابھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا تھا۔ اس وجہ سے اُسے ملال تھا۔ لیکن جب وہ سوئے ہوئے دربانوں کے پاس سے گزر کر باہر نکلا، دنیا کا رنگ اسے کچھ متغیر نظر آتا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس نے دنیا کے لئے کچھ بھی کام نہیں کیا۔ بلاشبہ اس نے دوسروں کی بہتری کے لئے اپنی تمام کوششیں صرف کر دی تھیں۔ لیکن اس تمام جد و جہد کا نتیجہ اب اسے خود حقیر نظر آتا تھا اسے یوں معلوم ہوتا تھا کہ دنیا میں کئی دوسرے لوگ ایسے موجود ہیں جو اس کام کو اس سے کہیں زیادہ اچھی طرح سے انجام دے سکتے ہیں۔ اسے دنیا اب بہت زیادہ عظیم الشان معلوم ہوتی تھی۔ اور دُنیا کی ہر چیز پہلے سے

زیادہ عظیم الشان ہوگئی تھی - اسے اب بھی اپنے گھر اور اپنے ملک سے ویسی ہی محبت تھی لیکن سرِشام اُسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ چیزیں اُسکے ساتھ ہی فنا ہو جائینگی - اب اس نے دیکھا کہ ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہُوا

دروازہ سے نکلنے پر اسے تذبذب ہُوا کہ پہلے کدھر کا رُخ کرے - اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ملکہ کے پاس نہ جائیگا - ملکہ کے اندوہ وغم کے خیال ہی سے اُس کی رُوح کانپ گئی - وہ اس وقت تک ملکہ کا چہرہ نہ دیکھنا چاہتا تھا جب تک کہ وہ اس سے ہم آغوش ہوکر اس سے یہ نہ کہہ سکے کہ اب خوشی کے آنسو روؤ کیونکہ میں واپس آگیا ہوں - بادشاہ نے اس خیال سے اپنے دل کو تسلّی دی کہ اُسے صرف ایک گھنٹہ انتظار کرنا ہے - جس کے بعد وہ واپس دنیا میں ہوگا اور یہ تمام باتیں خواب و خیال ہو جائینگی، اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی +

جب اسے اپنی آخری ساعتوں کا خیال آیا تو اس نے دل میں سوچا کہ ایک دفعہ پھر مجھے اسی منزل سے گزرنا ہوگا +

وہ اپنے بسترِ مرگ کا رُخ کرتے کرتے رہ گیا جس سے وہ ابھی اُٹھا تھا +

اس نے دل میں کہا میں آج تک کسی بات میں خوف سے مغلوب نہیں ہُوا -

وہ اس خاص شرط کے خیال سے متبسّم ہُوا جو اس کو زندگی کے لئے پیش کی گئی تھی - اس کا شہر اُس کی آنکھوں کے سامنے چاند کی روشنی میں پھیلتا چلا گیا تھا +

اس نے دل میں خیال کیا کہ میں اپنی رعایا میں سے تین کیا تین ہزار آدمی آسانی سے مہیا کر سکتا ہوں کیا وہ سب میرے نہایت وفادار دوست نہیں ؟

محل کے بڑے دروازے کی سیڑھیوں پر اس نے ایک بچّی کو دیکھا وہ رو رہی تھی - سنتری نے جو پہرہ پر متعین تھا ادھر سے گزرتے ہُوئے اس سے سوال کیا "کیوں ؟ کیا بات ہے ؟ کیوں رو رہی ہو ؟

بچّی نے جواب دیا کہ "بادشاہ مر گیا ہے، اس لئے امّاں اور ابّا محل میں گئے تھے، لیکن اب تک وہ واپس نہیں آئے - اب میں بہت تھک گئی ہوں اور مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے - رات سے مجھے کھانا نہیں ملا، اور میری گڑیا بھی ٹوٹ گئی ہے - میرا دل چاہتا ہے کہ بادشاہ کسی طرح پھر زندہ ہوجائے یہ کہہ کر اس نے پھر رونا شروع کر دیا - بادشاہ کو یہ دیکھ کر مسرّت ہُوئی +

اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بچی میری رعایا میں سے وہ پہلا فرد ہے جس کو میری زندگی کی آرزو ہے" بادشاہ کا اپنا کوئی بچہ نہ تھا۔ وہ اس بچی کو تسلی دینے کے لئے ضرور ٹھہرتا لیکن اُس وقت اسے بہت سے اور ضروری امور درپیش تھے ؛

وہ اپنے عزیز ترین دوست کے مکان کی طرف جارہا تھا۔ جس پر اُسے سب سے زیادہ اعتماد تھا۔ وہ اس کی انتہائی ناامیدی اور افسردگی کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے لاکر ایک شریر بچے کی طرح مسکرایا۔ اس نے دل میں کہا "مجھے غریب فیروز پر رحم آتا ہے، مجھے اسکی حالت کا اندازہ ہے، آہ اگر وہ دنیا سے اُٹھ جاتا تو مجھے کس قدر صدمہ ہوتا۔ میں یہ رنج برداشت نہ کرسکتا ؛

جب وہ اپنے دوست کے شاندار مکان کے صحن میں داخل ہوا۔ لوگ چراغ اُٹھائے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے، گھوڑے سازوسامان سے آراستہ کئے جارہے تھے اور تمام گھر میں کچھ ہیجان سا پھیل رہا تھا مگر اِن لوگوں میں کہیں اسے اپنا دوست نظر نہ آیا۔ وہ اس کی تلاش کے لئے ایک ایک کمرہ میں پھرا لیکن سب کمرے خالی تھے۔ یہ دیکھ کر وہ خوف وہراس سے لرز گیا کہ کہیں اُس کے دوست نے شدتِ غم سے جان نہ دے دی ہو ؛

آخر وہ ایک چھوٹے سے کمرہ میں داخل ہوا۔ یہاں وہ اور اس کا دوست دونوں باہم مل کر مسرت کی کئی خوشگوار ساعتیں گزار چکے تھے۔ وہ اسے یہاں بھی نہ ملا لیکن آثار کہے دیتے تھے کہ اُسے یہاں سے گئے زیادہ دیر نہیں گزری۔ کچھ کتابیں اور کچھ کاغذ کے پُرزے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے اور ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے فرش پر پھیلے ہوئے تھے۔ اسے زمین پر ایک چھوٹی سی تصویر گری ہوئی نظر آئی۔ بادشاہ نے اسے اُٹھا کر دیکھا تو یہ اس کی اپنی تصویر تھی۔ گرنے سے اس کا چوکھٹا ٹوٹ چکا تھا۔ تصویر دیکھ کر اس نے پھر اس طرح زمین پر پھینک دی گویا اس نے کوئی جلا دینے والی چیز اُٹھالی تھی، آتشدان میں آگ خوب دہک رہی تھی جس میں ایک خط کے پُرزے جلنے کے لئے ڈال دئے گئے تھے بعض پُرزے ابھی تک نہ جلے تھے۔ بادشاہ نے ایک پُرزہ اُٹھا کر دیکھا اور اپنی تحریر پہچان لی۔ یہ اس کا آخری خط تھا، جو اس نے اپنی ایک خاص تجویز کے متعلق جس سے اس کو بے انتہا دلچسپی تھی اپنے دوست کو لکھا تھا۔ اس نے اپنے خط کا یہ پرزہ دوبارہ شعلوں کی نذر کیا ہی تھا کہ دو شخص کمرے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک مرد تھا اور دوسری ایک عورت۔ مرد نے سواروں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ

وہ کسی طویل سفر کے بعد واپس آیا ہے ؛

مرد نے پوچھا - فیروز کہاں ہے ؟

عورت نے جواب دیا "وہ نئے بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہونے کے لئے گیا ہے ، بات یہ ہے کہ آجکل ہم لوگ بہت پریشانی میں مبتلا ہیں - پرانے بادشاہ کے بیہودہ اور مضحکہ خیز خیالات و عقاید سے نیا بادشاہ کوسوں دُور ہے - اور سچ تو یہ ہے کہ طبیعت کے اس اختلاف کی وجہ سے وہ اس سے متنفر بھی تھا - فیروز کو شاہی دربار میں اب تک جو رسوخ حاصل رہا ہے وہی اب اس کے راستہ میں حائل ہو رہا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ وہ عین وقت پر اپنی طرف سے صفائی پیش کر سکیگا - اور اتنا تو وہ سچے دل سے کہہ سکتا ہے کہ سابق بادشاہ جو لغو اصلاحات نافذ کرنا چاہتا تھا - وہ دراصل اُن سے قطعاً متفق نہ تھا - اس میں شک نہیں کہ فیروز کو سابق فرمانروا سے ایک طرح کی دلبستگی بھی تھی لیکن پھر ہمارے لئے اپنا خیال متقدم ہے - حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو اس قسم کے رقیق جذبات سے متاثر ہونیکی فرصت ہی نہیں ہوتی - بادشاہ کی موت کے بعد فوراً ہی وہ یہاں سے روانہ ہو گیا تھا - اب میں ساز و سامان کے ساتھ اس کے خدام وغیرہ کو بھیج رہی ہوں "

مرد نے جس کو اب بادشاہ نے پہچان لیا تھا اور جو اُسی کا ایک سفیر تھا ، جواب دیا - بالکل بجا ہے بات کہنے کی نہیں ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہُوا ہے اسی میں ملک کا فایدہ ہے - وہ بیچارہ تو سیاسیات سے قطعاً نابلد تھا - اس نے مجھے ایک ایسے وقت میں صلح کا معاہدہ کرنے پر مجبور کیا جس وقت صلح ہمارے مفاد کے لئے تباہی کا پیغام تھی - خیر اب جنگ ہو کر رہیگی - اگر اس کی بات پر عمل ہوتا تو فوج میں عہدوں کی ترقی کا سلسلہ رُک جاتا "

بادشاہ اس سے زیادہ سُننے کی تاب نہ لا سکا ؛

اس نے دل میں کہا ، میں اپنی عام رعایا کے پاس جاتا ہوں ، میرے جانشین سے کم از کم انکی تو کوئی غرض وابستہ نہیں بلکہ جو مراعات میں نے اپنی رعایا کو دی ہیں وہ اسکے عہد میں چھن جائینگی ؛

جس وقت وہ وہاں سے رخصت ہُوا گھڑیال نے سوا گیارہ بجائے - یہ بادشاہ درحقیقت نہایت غیر معمولی انسان تھا - وہ اپنی رعایا کے سب سے زیادہ مفلس اور قلاش طبقہ کے گھروں سے واقف تھا ، وہ اس سے قبل بھیس بدل کر بارہا اُنکے گھروں میں جا چکا تھا - اس نے اپنی آنکھوں سے اپنی فلاکت زدہ

رعایا کی دردناک حالت دیکھ کر وہ سب کچھ کیا، جو اس سے قبل کبھی نہ کیا گیا تھا +

محل میں کوئی شخص اس راز سے واقف نہ تھا کہ وہ متعدی بخار جو اسکی جان لئے بغیر نہ رہا، اُسے کہاں سے چمٹا ۔ لیکن اسکے متعلق خود اس کا شبہ نہایت قوی تھا ۔ چنانچہ اس نے سیدھا اُدھر ہی کا رُخ کیا ۔ اس نے مُسکرا کر دل میں کہا اب مجھ پر کوئی بخار اثر نہیں کر سکتا ۔ اُن کے گھر اب بھی ویسے ہی تباہ وخستہ تھے ۔ اور وہ لوگ اب بھی ویسے ہی بیمار اور غلیظ تھے ۔ اگرچہ وقت زیادہ گزر چکا تھا لیکن بازار میں لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ کھڑے ہو کر اُسی کے متعلق باتیں کر رہے تھے، سب لوگوں کی زبان پر اُسی کا نام تھا ۔ عام طور پر لوگوں کو اس بات سے دلچسپی معلوم ہوتی تھی کہ دیکھئے بادشاہ کے جنازہ کی رسوم کب عمل میں آتی ہیں ۔ ایک ادنئے درجہ کے شراب خانے میں پانچ یا چھ آدمی ایک میز کے گرد بیٹھ کر شراب پی رہے تھے بادشاہ انکی باتیں سننے کے لئے کھڑا ہو گیا +

ایک شخص جس سے وہ پہلے بھی روشناس تھا بولا ’’چلو خوب چھٹکارا ہُوا ۔ ارے میاں وہ بادشا کاہے کا تھا کہ ایک ادھنّی بھی کبھی اس نے کھلے دل سے صرف نہ کی تھی ۔ تم کیا جانو میاں اس سے تجارت کو نقصان پہنچتا ہے ۔ یہ نیا لونڈا اچھا ہے ۔ امید ہے اب خوب چہل پہل اور رونق رہیگی‘‘ +

ایک دوسرا شخص جو زباں دانی کا بہت بڑا دعوےدار معلوم ہوتا تھا ۔ بول اُٹھا ۔ ارے یار اس کے خدا کی مار اس کے کلّب (قلب) میں تو یہ خیالات سمایا تھا کہ بس ہیچو ما دیگرے نیست ہر وقت گھروں کی صفائی کی تاقید اور اس قسم کی بے فضول باتوں سے اس نے تو ناک میں دم کر رکھا تھا ۔ کوئی پوچھے کہ بھلے مانس یہ دخلدر مقولات کا حقوق تجھے باوا نے دیا تھا؟ اور بھئی قسم خدا کی جو مجھ سے کوئی پوچھے تو یہ بادشاہ وادشاہ سب جہندم واصِل ہونے چاہئیں ۔ ہاں بھئی البتہ اگر کوئی کہے کہ نہیں بادشاہ بلضرور ہی ہونا چاہیئے تو پھر میں تو کوئی ایسا بانکا ترچھا جوان پسند کروں جو اپنی جورو سے خائف زدہ نہ ہوتا ہو اور بھنگ ۔ چرس، گانجھے، چانڈو، تاڑی، مدک، افیون، شراب وغیرہ میں تو متیاز (امتیاز) کر سکتا ہو‘‘ ۔ یہ کہہ کر اس نے ایک زور کا قہقہہ لگایا +

’’ لو اور سنو! پھانسی کی سزا بھی موکف (موقوف) ہونے لگی تھی ۔ بڑا آیا شرفہ (شریف) کہیں کا دراصل میں مجھے تو اُس کا یہ خیالات مالم ہوتا تھا کہ قیدیوں کو پھانسی دے کر اپنے ہاتھ سے ان کو اتلاف (تلف) نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اُن ستم زادوں (ستم زدوں) سے حتّٰی مکان خوب کام لینا چاہیئے

یارلوگو! تمہارے سر کی قسم میرا یہ خیالات بُتلان (باطل) نہیں۔ رعیّت کی فلاحت و لاحت (فلاح) کا خیالات سب ڈھکوسلا تھا۔ فی الحقیقت میں تو اس کا مطالب ہی کچھ اور تھا۔ یہ مرموز (رموز) ہم سے پوچھو" سب لوگوں نے ایک بلند وحشیانہ قہقہہ سے اس کی باتوں کی تائید کی ٭

بادشاہ کے دل کی یہ حالت تھی کہ اس وقت اگر اس کا کمینہ ترین دشمن بھی اُس پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتا تو وہ ان دل آزار کلمات کے مقابلہ میں اس کے زخمی دل پر مرہم کا کام دیتیں۔ جب وہ وہاں سے رخصت ہُوا۔ اس وقت گھڑیال نے ساڑھے گیارہ بجائے۔ بادشاہ یہاں سے سیدھا بڑے محبس میں پہنچا۔ اس نے ان کمروں کا رُخ کیا جہاں وہ مجرم جن کے متعلق سزائے موت کا فیصلہ صادر ہو چکا ہو۔ بند کئے جاتے تھے۔ موت کی سزا ابھی موقوف نہ ہُوئی تھی اور موجودہ صورت میں یہ بات بادشاہ کے لئے باعثِ اطمینان ثابت ہوئی ٭

یہاں صرف ایک پست قد آدمی قید تھا۔ جو نہایت تباہ حال معلوم ہوتا تھا۔ یہ شخص اپنے گھٹنے پر کاغذ رکھ کر کچھ لکھ رہا تھا۔ بادشاہ اس کو ایک دفعہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا اور اب حیرت سے اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ اتنے میں محبس کا داروغہ اور اس کے ساتھ ہی مجلسِ وزرا کا صدر جس کے ساتھ بادشاہ نہایت محبت اور مروت کا برتاؤ کیا کرتا تھا۔ دونوں اندر داخل ہُوئے۔ قیدی نے جلدی سے نظر اوپر اُٹھا کر دیکھا اور داروغہ سے کہا "میرا خیال ہے میرے لئے کل کا دن مقرر تھا" لیکن پھر اس خیال سے کہ مبادا اس پر بزدلی کا الزام آئے اس نے ساتھ ہی یہ بھی کہا "بہر حال میں ہر وقت تیار ہوں اگر آپ یہ رقعہ میری بیوی تک پہنچا دیں تو میں شکر گزار ہونگا"

مجلسِ وزرا کے صدر نے متانت آمیز لہجہ میں کہا "بادشاہ مر گیا ہے۔ تمہاری سزا اب معاف ہو گئی ہے اعلیحضرت شہریارِ جواں بخت کے خیالات و عقائد مختلف ہیں۔ گمان غالب ہے کہ کل تک تم بالکل آزاد کر دیئے جاؤ گے"

قیدی ہکا بکا رہ گیا اُس نے حیرت سے یہ الفاظ دُہرائے "بادشاہ مر گیا ہے؟" صدر نے ایک پُر وقار انداز میں جواب دیا "ہاں مر گیا" وہ شخص ماتھے کو ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور رقت آمیز لہجہ میں بولا "آہ! میرے دل میں اس کا احترام تھا کچھ بھی ہو آخر وہ بادشاہ تھا۔ اس کا سلوک مجھ سے شریفانہ رہا۔ اس کی بھی بی بی نوجوان ہے مجھے وہ غریب قابلِ رحم معلوم ہوتا ہے۔ کاش وہ پھر زندہ ہو جائے ٭

وہ شخص یہ باتیں کر رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ٭

جب بادشاہ محبس سے نکلا اس وقت گھڑیال نے پونے بارہ بجائے۔ اُسے یوں معلوم ہوتا تھا

کہ اس کی سخت ذلت ہوئی ہے۔ دوستوں کی نفرت سے زیادہ دشمن کا رحم ناقابلِ برداشت تھا۔ ایسے شخص کے توسط سے زندگی حاصل کرنا اسکے لئے ہزار موت مرنے سے بدتر تھا۔ باایں ہمہ چونکہ وہ خود شریف تھا، ایک دوسرے شخص میں شریفانہ خیالات کے اس اظہار سے وہ مسرور ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس وقت بادشاہ نے اپنی حالت پر ایک نظر دوڑائی اس نے دل میں کہا کہ میری جدوجہد محض بیکار ثابت ہوئی محبت اور وفاداری کا وہ خیال جس پر مجھے اس قدر اعتماد تھا۔ آخر ایک پریشاں خواب نکلا۔ جن لوگوں کے لئے کام کرنیکی آرزو مجھے تھی وہ خود ابھی کسی قسم کی اصلاح قبول کرنیکے قابل نہیں ہوئے۔ ایک بیوقوف ننھی بچّی اور ایک فیاض دشمن، دنیا میں صرف یہ دو میرے دوست ہیں۔ ایسی حالت میں زندگی کی تمنّا بیکار ہے۔ میرے لئے اب یہی مناسب ہے کہ خاموشی سے واپس چلا جاؤں اور قضا کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کردوں۔ مجھے اب سبق مل گیا ہے میں اب خاموشی کی نیند سونے کے لئے تیار ہوں۔ تقدیر نے اپنے فیصلہ کی صحت ثابت کردی۔

وہ پہلی تلخی اب باقی نہ تھی اور وہ اب زیادہ ٹھنڈے دل سے حالات پر غور کرسکتا تھا۔ چاند بادلوں میں چھُپ رہا تھا اور سردی کی شدت بڑھ رہی تھی، ناگہاں اسے اپنی تنہائی اور بے چارگی کا شدید احساس ہُوا۔ اور اس کا دل بیٹھ گیا۔ اس نے جی میں کہا، کیا واقعی کسی کو میری پروا نہیں اور کسی کو مجھ سے محبت نہیں اُس وقت وہ ہمدردی کی ایک نگاہ پر دُنیا بھر کی نعمتیں نثار کرنیکو تیار تھا۔ اس کے بیمار دل کے لئے محبت آبِ حیات سے بڑھ کر تھی۔

ابھی ایک گھنٹہ کی مہلت ختم نہ ہُوئی تھی چند لمحے ابھی باقی تھے اسے دفعتہً اپنی بی بی کا خیال آیا۔ وہ تمام دنیا کو بھول گیا، اس خیال سے اُسے تسلّی ہُوئی کہ کم ازکم دنیا میں ایک جگہ تو ایسی ہے جہاں وہ پورے اعتماد کے ساتھ داخل ہوسکتا ہے۔ لیکن موجودہ تجربہ نے اسکے دل کو اس قدر پستی میں گرادیا تھا کہ وہ اپنی بی بی کے کمرے میں داخل ہونے سے ہچکچاتا تھا۔ وہ دروازہ پر کھڑا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا" آہ اگر یہ بھی فریب ثابت ہُوا؟" میرے لئے اچھا یہی ہے۔ کہ اس بات کے علم سے قبل واپس چلا جاؤں۔

لیکن پھر اس نے دل میں کہا میں آج تک کبھی کسی بات میں خوف سے مغلوب نہیں ہُوا۔

اسکی بی بی تابدان کے قریب کمرہ میں تنہا بیٹھی تھی اس کے لمبے لمبے بالوں میں اس کا چہرہ چھپا ہُوا تھا۔ اسکو دیکھ کر بادشاہ نے اپنے دل کو سخت ملامت کی کہ اُسے ملکہ پر کیوں ذرا سا شبہ بھی پیدا ہُوا۔

ملکہ نے بادشاہ کی دی ہُوئی انگشتری پہن رکھی تھی۔ یہ انگشتری وہ ہمیشہ پہنے رہتی تھی انگشتری

کے بیش بہا نگینہ سے روشنی کی شعاعیں نکل رہی تھیں اس سیاہ خانے میں صرف یہی ایک چیز روشن تھی ؞

بادشاہ کا دل ملکہ کو تسلی دینے کے لئے بے قرار تھا وہ حیران تھا کہ اس کی تمام سہیلیوں نے اُسے کیوں تنہا چھوڑ دیا ہے۔ کم از کم اسکے ماتم کی پہلی رات میں تو کسی کو اسکے پاس رہنا چاہیئے تھا۔ ملکہ خیالات کے ہجوم میں گم معلوم ہوتی تھی۔ بادشاہ نے دل میں کہا کاش وہ کوئی بات کرے یا خود اُسی کا نام اُس کی زبان سے ادا ہو۔

ایک ہلکی سی آواز نے بادشاہ کو چونکا دیا۔ دیوار میں سے ایک خفیہ دروازہ جس کا علم بجز بادشاہ اور ملکہ کے کسی اور کو نہ تھا۔ کھُلا۔ اور ایک شخص آ کر ملکہ کے سامنے کھڑا ہو گیا ؞

ملکہ نے اپنی اُنگلی اپنے لبوں پر رکھی گویا اُسے خاموش رہنے کی ہدایت کر رہی تھی . . . . "

پھر ملکہ نے کہا غنیمت ہے کہ تم آ گئے، مرتے وقت مجھے اس کا ہاتھ تھامنا پڑا تھا۔ اور اب میں یہاں اکیلی بیٹھی ہوئی ڈر رہی تھی مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ بھوت بن کر اس کی روح مجھ پر سوار ہو جائیگی لیکن خیر اب وہ ہمیشہ کیلئے گیا۔ اب وہ کبھی واپس نہیں آئیگا۔ یہ کہتے ہوئے۔ اس نے اپنی انگشتری اُتار کر اس شخص کو پہنا دی . . . .

. . . ."

جس وقت گھڑیال نے بارہ بجائے بادشاہ کے کمرہ کے محافظ ایک دھماکے کی آواز سے بیدار ہو گئے بادشاہ کی لاش اسی طرح پڑی تھی لیکن اسکے چہرے کی کیفیت بالکل متغیر ہو گئی تھی ؞

انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "اب ملکہ کو اس کا چہرہ نہیں دکھانا چاہیئے ؞

(ماخوذ) حامد علی خاں

صدائے دل

سکوتِ شب میں اُٹھتا ہوں حدیثِ سوز کہتا ہوں
کہ میں ٹوٹے ہوئے تاروں کی گردِ رہ میں رہتا ہوں

ابھی جنبش تمنّاؤں کے اِس خونیں کفن کو ہے
ستم مرنے کے اور پھر بھی نہ مر سکنے کے سہتا ہوں

عبث روتا ہوں میں، کیا ہو گیا، کیا ہونیوالا تھا
اور اپنا قصّۂ غم رات کے تاروں سے کہتا ہوں

تڑپ اُٹھتا ہوں اور اس نیلگوں پہنائے ظلمت میں
اُبل کر اپنے دل سے مثلِ اشکِ یاس بہتا ہوں

مقدّر ہے نوائے غم مجھے، اس کے سوا کچھ بھی
جو کہتا ہوں غلط کہتا ہوں بالکل جھوٹ کہتا ہوں

"بیگانہ"

ترانۂ رُوح

یہ کیا ہے شورشِ دُنیا، یہ فتنۂ گردوں! یہ انقلاب! یہ گردش! یہ طالعِ واژوں!

عنانِ اشہبِ تقدیر میرے ہاتھ میں ہے! بھلا قضا بھی کوئی چیز ہے کہ اس سے ڈروں!

ستارہ وار فلک پر مجھے چمکنا ہے ہنوز زیرِ افق خوابگاہِ نور میں ہوں

مری سرشت وفا اور مرا خمیر نیاز مگر محال کہ اپنے وقار کو بھولوں

غرورِ اوج جبینِ نیاز کو جو دکھائے تڑپ کے اُٹھوں اور اُس آستاں کو ٹھکرا دوں

کہا فلک نے مجھے "بس کر، تو کچھ بھی نہیں" پُکار کر یہ مری رُوح نے کہا "مَیں ہوں!"

کہا فلک نے "تو اُٹھیگا خاک سے کیونکر؟" تو میں نے خوں شدہ سر کو کیا بلند کہ یوں!

میں خود جو ہوں نہیں ہمدم اگر کوئی، نہ سہی خود آشنا ہوں، خود آرا ہوں اور خود بیں ہوں

وہ تلخ نوش ہوں، ہر جام واژگوں پہ ابھی پکارتا ہوں کہ لا اور ساقیٔ گردوں!

ابھی کچھ اور مجھے، میری حسرتو، تڑپاؤ کچھ اور، ہاں ابھی کچھ اور خاک پر لوٹوں

مَیں حرفِ راز ہوں، مجھ کو بہ رنگِ نامۂ شوق دکھاؤ آگ، کہ مبرا کہیں کھلے مضمون

"بیگانہ"

ہمایوں کا مقبرہ

رسالہ ہمایوں میں شہنشاہ ہمایوں کے مقبرہ کی کیفیت یقیناً دلچسپ معلوم ہوگی -

بابر بادشاہ کا بیٹا نصیر الدین ہمایوں ہندوستان کا مشہور بادشاہ گزرا ہے - اس کا مقبرہ پرانی دلی میں جمنا دریا کے کنارے واقع ہے ۔

ہمایوں اپنی قبر سے ایک میل کے فاصلہ پر قلعہ کہنہ میں شیر منزل کی چھت سے گر کر مرا تھا - اسی لئے تاریخ ہوئی تھی "ہمایوں بادشاہ از بام افتاد"

یہ مقبرہ دہلی کی عمارات میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ شاندار خوبصورت عمارت ہے - دہلی کی جامع مسجد کی خوبصورتی اس سے زیادہ ہے مگر وہ اتنی بڑی نہیں ہے ۔

جب ہمایوں یہاں دفن ہوچکا ہمایوں کی بیوی نے عرب سے قرآن مجید کے حافظ بلائے تاکہ وہ اسکے محبوب شوہر کی قبر پر رات دن قرآن خوانی کیا کریں - ان عربوں کے لئے مقبرہ کے قریب ایک آبادی قائم کی گئی جس کا نام عرب سرائے رکھا گیا - مگر اب یہ آبادی ویران ہے صرف شاندار دروازے اور فصیل باقی ہے ورنہ غدر سے پہلے یہاں سینکڑوں گھر عربوں کے موجود تھے ۔

ہمایوں کے مقبرہ کے آس پاس اور بھی کئی مقبرے ہیں - جن میں نواب عبدالرحیم خان خاناں کا مقبرہ بہت شاندار تھا جو آجکل اُجاڑ پڑا ہوا ہے - کیونکہ اس کے اوپر کا پتھر راجہ سورج مل بھرت پور کے راجہ اکھاڑ کر لے گئے تھے ۔

مقبرہ ہمایوں کے شرق میں چینی کا ایک گنبد ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس میں ہمایوں کے حجام کی قبر ہے لارڈ کرزن نے جب اس مقبرہ کو دیکھا تو اپنے ایک مصاحب سے ہنس کر کہا تھا کہ میرے حجام کو بھی پندرہ روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے ۔

ہمایوں کے مقبرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہندوستان کے دس بارہ بادشاہ اور بھی مدفون ہیں - اور انہی میں اورنگ زیب کے بھائی دارا شکوہ کی قبر بھی ہے غالباً اور کسی بادشاہ کے مقبرہ میں اتنے بادشاہ دفن نہ ہونگے ۔

اس مقبرہ کی ایک تاریخی خصوصیت یہ ہے کہ مغل شہنشاہی کا خاتمہ بھی اسی مقبرہ میں ہوا۔ یعنے مغلوں کے بادشاہ بہادر شاہ انگریزوں کے ہاتھ اسی مقبرہ میں گرفتار ہوئے تھے۔

جس وقت انگریز انکو گرفتار کرنے آئے وہ ہمایوں بادشاہ کی قبر سے تکیہ لگائے قالین بچھائے بیٹھے تھے۔ میجر ہڈسن نے انکی طرف پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا تو بہادر شاہ کے پوتے میرزا سہراب نے تلوار سے میجر ہڈسن پر حملہ کیا۔ اور میجر ہڈسن کے ایک ساتھی نے سہراب میرزا کے گولی ماری اور سہراب میرزا بہادرشاہ کے سامنے سنگ مرمر کے فرش پر اپنے خون میں لوٹ لوٹ کر مر گئے۔

ہُمایوں کا مقبرہ دہلی کی تفریح گاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مقبرہ کے چاروں طرف بکثرت حوض ہیں اور بہت اچھا چمن ہے اور ہزاروں سیاح محض تفریح کے لئے یہاں آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغل لوگ مرنے کے بعد بھی اپنی قبروں سے لوگوں کو ڈراتے نہیں بلکہ خوش اور مسرور کرتے ہیں

ہمایوں کی نیک مزاجی تاریخوں میں مشہور ہے مگر اسکا مقبرہ بھی اسکی نیک مزاجی کو نمایاں کرتا ہے۔ کہ اسکے اندر جا کر انسان کو عجب طرح کا سکون اور اطمینان میسّر آجاتا ہے جو بہت کم مقبروں میں دیکھا گیا ہے۔

راقم حسن نظامی ۱۰ دسمبر ۱۹۲۶ء

بچّے

بچّہ ایک عظیم الشان انجام کا نازک آغاز ہے۔

جیسی مائیں ویسے بچے۔

بچپن عقل کی نیند ہے۔

بچّہ باپ ہے آدمی کا!

ننھے بچّے خدا کے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں جیسے سیّارے سورج کے زیادہ قریب۔

بچے خدا کے قاصد ہیں جو ہر روز ہمارے پاس محبت اور اُمید اور امن و امان کا پیغام لاتے ہیں۔

"گلچیں"

پیکانِ محبّت

فرشتے محبت کے دیکھو فضا میں
کرشمے محبت کے دیکھو ہوا میں

فضا میں فرشتوں کی گُلبازیاں ہیں
ہوا میں حسینوں کی طنّازیاں ہیں

فضا گُل کی نکہت سے معمور یکسر
ہوا حُسن کی مے سے مخمور یکسر

فضا ننھے پھُولوں کا گلشن بنی ہے
ہوا پیارے رنگوں کا مسکن بنی ہے

فرشتے فضا میں جو منڈلا رہے ہیں
محبّت کی اک راگنی گا رہے ہیں

مرا دل اُڑائے لئے جا رہے ہیں
وہ بے تاب مجھکو کئے جا رہے ہیں

مرے دل پہ وہ تیر برسا رہے ہیں
محبّت کے مارے کو ترسا رہے ہیں

ملی تیر کھانے میں لیکن وہ لذت
کہ رحمت نظر آئی مجھکو یہ زحمت

برابر ہے سُود و زیانِ محبّت
مسرّت میں غم ہے تو غم میں مسرّت

نظر حُسن ہی حُسن آتا ہے مجھ کو
وہ ہر شے میں جلوہ دکھاتا ہے مجھکو

شگوفہ محبت کا دِل میں کھِلا ہے۔
مرا گُم شدہ لعل مجھ کو مِلا ہے

حبل

سفرِ زندگی کا کرایہ

بڈھا یاقوت اپنی چارپائی سے بندھا ہوُا تھا۔ کلائیاں بدن اور ٹانگیں پائنتی کی رسی سے اس طرح جکڑ دی گئی تھیں کہ حرکت کرنا ناممکن تھا۔ اوپر کو اُٹھی ہوُئی آنکھیں دو بیرحم چہروں کی طرف دیکھ رہی تھیں جنمیں بے دردی اور ظلم کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا ؛

وہ سادہ کار تھا۔ معمر اور ضعیف۔ بال مدت ہوُئی سفید ہو چکے تھے لیکن عینک کی مدد سے آنکھوں میں، اور سالہا سال کی مشق سے ہاتھوں میں۔ دیرینہ کمال کا اثر موجود تھا جس کی بنا پر اپنی دیانتدارانہ روش کے طفیل اسے کام کی کمی نہ تھی۔ اور نہ موجودہ زمانے کے ظاہری چمک دمک سے روز ایک نیا اُلّو پھانسنے والے کاریگروں کی طرح تمام دن راستے پر آنکھیں لگائے بیٹھے رہنے کی ضرورت۔ وہ ایک ٹوٹے پھوٹے سے جھونپڑے میں الگ اور اکیلا رہتا تھا۔

یہ دو بدمعاش موقع پاکر رات کے وقت زبردستی اندر آ گھسے تھے اور اسکو پکڑ کر انھوں نے چارپائی کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ اس وقت انکی طرف دیکھتے ہوُئے اسکی نگاہ میں خوف و ہراس کی بجائے ایک قسم کی رحم آمیز بے بسی کی جھلک تھی جس طرح کوئی شخص کسی کو کُنْویں میں گرتا ہوُا دیکھے اور بچا نہ سکے ـــــ وہ کہہ رہا تھا:ـــ

"لے لو! جو کچھ ملے لے لو! تم چوری کرنے آئے ہو لیکن یاد رکھو کہ جو تنکا بھی لوگے اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی ـــــ"

دونوں میں سے بڑا اور نامی چور قادر ازور سے ہنس کر کہنے لگا "ہماری کھال بیچ کر وصول کروگے کیا؟ ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہا ـــــ"

بڈھے نے جواب دیا "اس کی ضرورت نہ ہوگی ـــــ"

دوسرے چور نے جسے اسکے جاننے والے طوطا کہہ کر پکارتے تھے نفرت آمیز انداز سے کہا "بڈھا سٹھیا گیا ہے۔ گویا اس کا باپ ہمیں پکڑنے کے لئے دروازے پر بیٹھا ہے"

بڈھے نے پُر اطمینان طریقے سے پھر کہا "دیکھ لینا! میری اتنی عمر دنیا میں گذری ہے اور میں

اسکے اطوار سے واقف ہوں۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو تمہاری طرح بغیر قیمت ادا کئے ۔ مفت دُنیا میں رہنا چاہتے تھے لیکن نہ رہ سکے۔ تمہیں بھی اگر زندگی کا سفر کرنا ہے تو کرایہ ادا کرنا ہوگا۔ پورا کرایہ اور ضرور ———"

قادر ادرشتی سے بولا" بک بک نہ کر بے! ہم تیرا وعظ سننے نہیں آئے۔ جلدی بتا وہ سونے کی تھیلی کہاں چھپا رکھی ہے ؟"

یاقوت نے اپنی تمام عمر کی کمائی سونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور ذرات کی شکل میں ایک تھیلی میں جمع کر رکھی تھی جس کا ان بدمعاشوں کو کہیں سے پتہ چل گیا تھا۔

طوطا نے اپنے شریک کی تائید کی" ہاں بتا وہ کہاں ہے ۔ نہیں تو ابھی تیرے اس جھریوں والے گلے کو مروڑے دیتا ہوں ۔ پھر ہم سے کرایہ وصول کرتا رہیو ۔"

بڈھے کی آنکھوں میں خوف کا اظہار نہ تھا۔ اس نے کہا" یہ نہ سمجھو کہ میں تمہیں نہیں بتاؤنگا۔ بڑی خوشی سے لے جاؤ۔ لیکن میرے الفاظ یاد رکھو معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔ تھیلی اُس رضائی کے نیچے دیوار کے کونے میں جو سوراخ سا ہے وہاں رکھی ہے۔ خس کم جہاں پاک "

دونوں چور کونے کی طرف شوق سے لپکے اور رضائی اُٹھانے کے بعد قادرا نے تھیلی کو نکال لیا۔ اس نے طوطا سے کہا" ارے بھاری ہے!" طوطا نے اسے لیکر اپنے ہاتھ میں وزن کرکے دیکھا لیکن قادرا نے جلدی سے چھین لی ۔

طوطا ذرا تُرشی سے بولا" ہائیں! تجھے کیا ہوگیا ہے! میرے تھیلی کو ہاتھ ہی لگانے پر بدگمان ہُوا جاتا ہے ؟"

قادرا متکبّرانہ انداز میں بولا" تو تھیلی میری ہے۔ تجھے اس سے کیا ؟"

"تجھے کیوں نہیں ؟ اس میں سے نصف میرا حصّہ ہے !"

"اچھا تو بِل جائیگا۔ گھبراتا کیوں ہے!" اور وہ پھر بڈھے کی طرف مخاطب ہُوا" اور بھی کچھ ہے تو بتادے۔ قبر میں لے جاکر کیا کریگا!"

یاقوت نے اپنا سفید بالوں والا سر ہلایا"نہیں اور کچھ نہیں۔ اگر ہوتا تو مجھے دیدینے میں کوئی عذر نہ تھا مجھے اب کیا کرنا ہے لے جاؤ لیکن اسکی قیمت دینا ہوگی ———"

قادرا نفرت سے بولا "کیا بکتا ہے! کیسے قیمت دینی ہوگی ؟"

"دیکھ لینا ضرور دینا ہوگی۔ وہ لوگ جو دیانتداری سے دنیا میں محنت کرتے ہیں گویا زندگی کا معاوضہ ادا کرتے ہیں۔ تم بغیر محنت کئے لطف حاصل کرنا چاہتے ہو۔ آج نہیں کل۔ کل نہیں تو پرسوں جتنی دیر ہوگی سود بڑھتا جائیگا۔ اور آخر کار تم بھی ادا کرو گے۔ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ــــــــ"

طوطا اپنے ساتھی سے کہنے لگا "بڈھے کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ جانے بھی دو۔ آؤ چلیں"

دونوں دروازے کی طرف چلے اور قادرا نے مڑکر کہا "گھبراؤ نہیں۔ کوئی کھولنے کو نہ آیا تو صبح تک تمہارا حساب بھی صاف ہو جائے گا"

کچھ دیر کے بعد گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز نے یاقوت کو بتادیا کہ اب وہ واپس نہیں آئینگے۔ اس نے آہستہ آہستہ رسی کے پھندوں سے آزاد ہونے کی کوشش کی۔ تھوڑے عرصے میں ایک ہاتھ کھسک کر گرہ میں سے نکل آیا اور اس سے باقی بند کھل گئے۔

وہ اُٹھا اور ایک پرانے چیتھڑے کو دیاسلائی دکھا کر حقہ بھرنے لگا۔ دل میں کہہ رہا تھا "میں ان کا تعاقب کروں! چور چور کہہ کر چلاؤں! کیوں؟ کس لئے؟ گناہ کیا ہے اسکی سزا پائینگے۔ ابھی ریت کا بیابان عبور کرنا ہے وہی ان سے معاوضہ وصول کرلیگا۔ اور خدا نے چاہا تو جلدی۔ دیر نہیں لگیگی۔"

قادرا اور طوطا گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آبادی سے باہر نکل گئے۔ گو کچھ عرصے سے دونوں ایک دوسرے کے شریک تھے تاہم دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے شریک پر پورا اعتبار نہ تھا۔ دونوں جانتے تھے کہ جس طرح دوسرا مال و زر کی ہوس میں انسان کی زندگی کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا اسی طرح موقع پاکر اپنے ساتھی کے گلے پر چھری چلا دینے میں بھی تامل نہ کریگا۔ چوروں کے آپس میں وضعداری کے قوانین یہاں نہ چل سکتے تھے۔ اس لئے طوطا کو یہ فکر لاحق تھی کہ قادرا تھیلی لیکر بھاگ نہ جائے اور قادرا کو اس بات کا خوف کہ اسکی توجہ دوسری جانب ہوئی تو طوطا چھری یا چاقو سے اس کا خاتمہ کردیگا۔ اس لئے دونوں اپنی اپنی جگہ چوکنے اور ہوشیار چلے جارہے تھے۔

تقریباً دو گھنٹے چلے ہونگے۔ چاروں طرف ریت کا چٹیل میدان پڑا تھا اور آدم زاد تو کیا کسی جانور کا بھی کوسوں تک پتہ نہ تھا۔ صرف آسمان کی طرف قدرت کی لاتعداد آنکھیں اہل بصیرت کو بتا رہی تھیں

کہ دنیا والوں کا مخفی سے مخفی راز انکی نگاہ سے مخفی نہیں ہے۔

طوطا بولا "لو آؤ اب اس سونے کو تقسیم کرلیں"

قادرا نے کہا "کر لینگے۔ ابھی جلدی کیا ہے؟" اور اپنے گھوڑے کے منہ کو زور سے جھٹکا دیا۔ بیچارہ جانور گھبرا کر خوفزدہ سا ہو گیا۔ اس پر سوار نے دس بیس گالیاں سنائیں اور دو چار ایڑیاں رسید کردیں۔

طوطا پھر بولا "تو ابھی کیوں نہیں بانٹ لیتے؟"

قادرا نے ترشی سے جواب دیا "میں کیا اسے لیکر بھاگ جاؤنگا؟" حالانکہ اس کی نیت واقعی یہی تھی۔

طوطا نے تیوری چڑھا کر ذرا درشتی سے کہا "نصف میرا ہے وہ مجھے دیدو اور پھر جو چاہو کرو۔ میں انتظار نہیں کرسکتا"

قادرا نے بھی دیکھا کہ طوطا غصے میں ہے ایسا نہ ہو معاملہ بگڑ جائے۔ اور گو زیادہ طاقتور تھا۔ لیکن سست اور بزدل تھا۔ اس لئے راضی ہو گیا۔ دونوں گھوڑوں سے اتر لئے اور تھیلی کو کھولا۔ طوطا نے ایک چھوٹی سی لالٹین روشن کرلی۔ جس وقت سونے کے ذرات کی دھار رومال پر پڑی تو قادرا کی آنکھوں میں پھر لالچ کی چمک پیدا ہو گئی اور اس نے ٹھان لیا کہ جس طرح بھی ہو اس تمام مال کو اکیلے ہضم کرنا چاہیئے۔

اس نے جیب سے شکاری چاقو نکال کر سونے کے چھوٹے سے ڈھیر کو درمیان سے کاٹ دیا اور جب غور سے دیکھ کر دونوں کو تسلی ہو گئی کہ تقسیم برابر ہے تو اپنا حصہ سمیٹنے لگے۔

قادرا کا گھوڑا جس کا مزاج اس کی بے وجہ درشتی سے ابھی تک بگڑا ہوا تھا اچھلا اور اس کا کھر سونے کے ڈھیر کے بالکل قریب آکر پڑا اس پر قادرا نے آگ بگولا ہو کر کھلا ہوا شکاری چاقو زور سے گھوڑے کی ران میں دے مارا۔ کئی انچ چمڑہ کٹ کر خون بہنے لگا اور وہ بیچارہ سخت درد سے ہنہنایا۔ قادرا نے گالی دیکر کہا "آیا مزا؟ اب بھی صبر آئیگا یا نہیں؟"

اپنا اپنا حصہ سمیٹ لینے کے بعد دونوں پھر سوار ہو کر چلدیئے۔ قادرا کا گھوڑا درد کے مارے بیچین ہوا جاتا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی ٹھہر جاتا یا ضد اور بغاوت کی ٹھان لیتا لیکن سخت سزا سے اسکے تمام منصوبے خاک میں مل جاتے اور وہ پھر سر جھکا کر چلنے لگتا۔ چند میل اور سفر کرنے کے بعد انہیں چند درخت نظر آئے جنکے نیچے پہنچ کر قادرا نے کہا "اب تو کافی دور آگئے ہیں۔ باقی رات یہیں بسر کرلیں" اسکے ساتھی نے بھی اتفاق کیا اور وہ گھوڑوں سے اتر کر سونے کا سامان کرنے لگے۔ ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر

زین اُتار کر انہیں تکیوں کی جگہ رکھا۔ گھوڑوں کو ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور کپڑے بچھا کر لیٹ گئے۔

طوطا کے دل میں اپنے ساتھی کی طرف سے بدگمانی پھر بڑھنے لگی اور باوجود اسکے کہ آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی تھیں وہ انہیں کھلا رکھنے کے لئے پوری کوشش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں اُٹھ کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ تاکہ کسی طرح نیند سے نجات مل جائے۔

قادرا کے سانس لینے کی آواز اس طرح آ رہی تھی جیسے کوئی سو رہا ہو۔ تاہم وہ سو نہیں رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ طوطا اُٹھ کر اِدھر اُدھر پھر رہا ہے لیکن اندھیرے میں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ آخر کار طوطا پھر لیٹ گیا اور کچھ عرصہ انتظار کرنے کے بعد قادرا نے سمجھا کہ اب سو گیا ہوگا۔

وہ آہستہ سے اُٹھا۔ اسکی آنکھیں اندھیرے میں بھی چمک رہی تھیں۔ وہ جیب میں سے شکاری چاقو نکال کر ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل طوطا کی طرف بڑھا۔ چُپ چاپ اسکے قریب پہنچا اور ہاتھ اُٹھا کر ایک ہی وار میں چاقو کی تمام دھار اُسکے سینے میں بھونک دی۔

"اب تو میرے ساتھ حصّہ نہیں بٹائیگا؟"

اس نے طوطا کے کپڑوں کو ٹٹولا۔ رضائی کو الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن تھیلی نہ ملی۔ "بہت اچھا صبح کو دیکھا جائیگا" یہ کہہ کر وہ اپنے بستر پر جا لیٹا اور خراٹے لینے لگا۔

صبح اُٹھ کر اِدھر اُدھر نظر دَوڑائی۔ طوطا اُسی جگہ پڑا تھا۔ دل کے اوپر رضائی چاقو سے کٹی ہُوئی تھی۔ قادرا نے انگڑائی لی۔ اُٹھا۔ اور تلاش کرنے لگا۔ طوطا کی تمام جیبیں ٹٹولیں۔ رضائی کا کونہ کونہ چھان مارا زین کے اوپر نیچے سب جگہ ڈھونڈا لیکن سونا نہ ملا۔ اس نے گالی دیکر کہا ــــــ بدمعاش نے کہیں چھپا دیا ہے۔ لیکن کہاں؟ اسے یاد تھا کہ طوطا رات میں ایک دفعہ اُٹھا تھا اور ٹہلتا رہا تھا۔ اس وقت چھُپایا ہوگا۔ دُور تو نہیں گیا تھا۔ اس نے دو چار جگہ سے زمین کھودی۔ درختوں کی شاخوں کو دیکھا کہ کوئی نشان ہو تو پتہ لگے۔ لیکن تھیلی غائب تھی۔ آخر مایوس ہو کر روانہ ہو جانیکا ارادہ کیا تاکہ اگر کوئی تعاقب کر رہا ہو تو اسکے پنجے میں نہ پھنس جائے۔

اپنے گھوڑے کے قریب گیا تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹنے لگا کیونکہ زخم رات میں اکڑ کر زیادہ تکلیف دہ ہو گیا تھا لیکن آخر کار اسے پکڑ کر اس پر زین رکھ دی اور پانی کی چھاگل کو لٹکانے لگا۔ "دُور تک

بیابان ہے پانی کی ضرورت ہوگی" یہ کہہ کر چھاگل کو منہ سے لگایا اور خالی کر کے اِدھر اُدھر دیکھا۔ لیکن کوئی چشمہ وغیرہ نہ تھا۔ طوطا کے زین کے قریب گیا اور اسکی چھاگل کو اُٹھا کر دیکھا۔ وہ بھاری تھی۔ "اسمیں کافی پانی ہے"

خالی چھاگل پھینک کر اس نے طوطا کی چھاگل زین کے ساتھ لٹکا لی۔ ایک دفعہ پھر اسکی رضائی کو آلٹ پلٹ کے دیکھا اور سوار ہونا چاہتا تھا کہ گھوڑا درد کے مارے اُچھل کر کچھ دُور جا کھڑا ہُوا۔ اسکے پیچھے بھاگا تو وہ اور دُور چلا گیا۔ ناچار دوسرے گھوڑے پر زین ڈال کر اپنے گھوڑے کا تعاقب کرنا شروع کیا کیونکہ پانی کی چھاگل کا حاصل کرنا ضروری تھا۔ لیکن وہ چونکہ درد سے بیتاب تھا اور مالک کے غصّے سے خائف جس وقت یہ قریب آتا وہ بھاگ جاتا۔ اسی طرح دوڑتے دوڑتے بہت دن نکل آیا اور قادرا کو بھوک اور پیاس نے ستانا شروع کیا۔

اس نے ایک اور تجویز سوچی۔ گھوڑے سے اُتر کر اس کی باگیں ہاتھ میں لیں اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ اب دوسرا گھوڑا اسے اپنے قریب تک آجانے دیتا۔ پھر بھاگ کر تھوڑی دُور چلا جاتا۔ ایک مرتبہ جب بہت ہی قریب آگیا تو قادرا نے اپنے گھوڑے کو چھوڑ کر ایک چھلانگ ماری تاکہ دوسرے کو پکڑ لے لیکن اس کا ہاتھ باگوں پر پڑنا تھا کہ وہ اُچھلا اور گھبرا کے ایک طرف کو ہوگیا اُچھلنے میں دوسرے گھوڑے سے ٹکرایا اور دونوں بھاگ کھڑے ہُوئے۔ قادرا دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا

گرمی ناقابلِ برداشت تھی۔ ایک قسم کی سیال سی شے ریت کے تودوں پر سے اُٹھ کر ہوا میں لہریں لیتی ہُوئی معلوم ہوتی تھی اور حلق میں اور ناک میں جا کر تنفس کو بند کئے دیتی تھی۔ روشنی کی تیزی قادرا کی آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی تھی اور ان میں ریت کے گرم گرم ذرّات پڑنے سے درد ہونا شروع ہوگیا تھا۔ نصف سے زیادہ دن گھوڑے کے پیچھے بھاگتے بھاگتے گذر گیا۔ اور ابھی وہ ہاتھ نہیں آیا تھا۔

وہ ہمت کر کے پھر چلا۔ قدم لڑکھڑاتے ہُوئے پڑتے تھے لیکن گھوڑا چند فٹ کے فاصلے تک قریب آتا اور پھر اطمینان سے دُلکی چل کر تھوڑی دُور جا کھڑا ہوتا۔ چھاگل آنکھوں کے سامنے زین سے لٹک رہی تھی۔ ہر مرتبہ امید ہوتی کہ اب ہاتھ آجائیگی اور حلق کو جو خشکی سے

بند ہوا جاتا تھا تسکین ہوگی۔ لیکن بیکار ـــــــــ "

تکلیف کی شدت سے اس کو اپنے آس پاس کا ہوش بھی نہ رہا تھا۔ اگر خیال تھا تو صرف پیاس بجھانے کا۔ جی کڑا کرکے ایک دفعہ پھر وہ گھوڑے کے پیچھے چلا لیکن ٹھوکر کھا کر ریت میں گر گیا۔ اُٹھنے کی کوشش کی۔ اُٹھا لیکن لڑکھڑا کر پھر گرا اور اب اُٹھ بھی نہ سکتا تھا۔

گھوڑے نے اِدھر اُدھر مُنہ پھرایا اور مالک کو زمین پر پڑا ہوا دیکھ کر اس طرف چلا۔ قریب آکر منہ سے ٹٹولا گویا حال دریافت کرنے لگا۔ اسکی باگیں قادرا کے مُنہ سے رگڑ کھانے لگیں۔ اُس نے آخری کوشش کی اور کسی نابینا کی طرح دیوانہ وار ہاتھ مارا۔ باگیں ہاتھ میں آگئیں۔ پھولے ہوئے گلے میں سے خوشی کا نعرہ نکلا۔ گو اسکی حیثیت ایک آہ سے زیادہ نہ تھی۔ باگوں کے سہارے اُٹھا اور چھاگل کو پکڑ کر پھر زمین پر گر گیا . . . . اب کیا تھا! پانی . . . . اسکی زندگی اسکے ہاتھ میں آگئی تھی . . . . "

کانپتے ہاتھوں سے ڈھکنا کھولا اور چھاگل کو منہ سے لگا کر اُلٹ دیا تاکہ آبِ حیات گلے میں اُتر کر رُوح کو تازہ کر دے . . . . "

غصّے اور نا امیدی کے جوش نے چھاگل کو دُور پھنکوا دیا۔ کھانسی آتی تھی لیکن اتنی طاقت نہ تھی۔ کہ کھانستا۔ گلا بند ہوا جاتا تھا۔ لیکن اتنی ہمت نہ تھی کہ اسے صاف کرتا۔ چھاگل میں پانی نہ تھا۔ وہ بھاری ضرور تھی۔ باریک دہکتے ہوئے کوئلوں کی طرح گرم سونے کے ذرّات سے قادرا کا مُنہ بھرا ہوا تھا۔ لیکن اتنی سکت نہ تھی کہ اُنہیں اُگل دیتا۔ کوشش کی۔ ہاتھ پاؤں مارے۔ تڑپا۔ لیکن اوندھا ہو کر گرا اور پھر نہ اُٹھ سکا۔

سفرِ زندگی کا کرایہ ادا ہو چکا تھا۔

عطاء الرحمٰن

غزلِ گرامی

ناصر علی سرہندی کے جواب میں ایک غزل لکھی ہے حامد پسند یا بشیر پسند ہو تو ہمایوں میں درج کر کے گرامی کو اور بالغ نظرانِ ہند کو رہین منت فرمائیں ۔

(گرامی)

بلا در ہر شکن پیچیدہ زلفِ نیمتابش را ❊ اجل در یک گریبانست چشمِ نیمخوابش را

تمنا بر نیاید ز امتحانِ فتنہ عنوانش ❊ تماشا بر نتابد جلوہ ہائے سینہ تابش را

زمیں بوسم اسیرم نو نیازم حلقہ در گوشم ❊ تکلم را تبسم را تغافل را عتابش را

گریبان شکیبم خود بخود تا دامنست امشب ❊ نمیدانم کہ وا کردست آں بندِ نقابش را

گرامی را بمجلس آں پری دزدیدہ دید امشب ❊ بلا گرداں روم پنہاں نگاہِ انتخابش را

بگیرم دامنِ آں سید لولاک در محشر ❊ کہ محشر بر نتابد تابِ حسن بیحجابش را

شبے در خانۂ زیں آں امام انبیا آمد ❊ قضا گیرد عنانش را قدر گیرد رکابش را

قضا گیرد قدر گیرد ۔ ازل گیرد ابد گیرد ❊ رکابش را عنانش را ۔ عنانش را رکابش را

گرامی در قیامت آں نگاہِ مغفرت خواہد ❊ کہ در آغوش گیرد جرمہائے بیحسابش را

سوارِ برق شد ماہے فلک آمد عناں گیرش ❊ رکابش بوسہ پیما زد ملک بوسد رکابش را

بخواہد آتشے ملائے روم اے شمس تبریزی ❊ زن آتش پنبہ زارش را بآب افگن کتابش را

غزل گفت آتشیں مضموں گرامی عقلِ کل گوید ❊ دہد ناصر علی خطے جوابِ لاجوابش را

ناصر علی سرہندی

بایں شوخی غزل گفتن علی از کس نمی آید ❊ بایران می فرستم تا کہ میگوید جوابش را

بشوخی پائے او بوسیدن قالب تہی کردن ❊ کہ ایں بے ادب تعلیم فرما شد رکابش را

بمحشر حرف بے صوت ست فریاد شہیدانش ❊ نمیدانم کہ داد ایں سرمہ چشم نیمخوابش را

ادب و زندگی

ادب اور زندگی بظاہر دو غیر متجانس الفاظ معلوم ہوتے ہیں، جن میں کسی قسم کے ظاہری یا باطنی رابطے کا امکان نظر نہیں آتا کیونکہ سطحی نظر سے دیکھا جائے تو مظاہر کائنات مناظر قدرت اور انکی گوناگوں کیفیات جو زندگی کا خارجی پہلو ہیں اور انسان کے انفرادی و اجتماعی حالات کے تغیرات اور انکی رنگا رنگ پیچیدگیاں جو زندگی کی داخلی تصویریں، اور ہی شئے ہیں اور تاریخ فلسفہ اور شعر کے دفاتر سے جنہیں ہم ادب کا نام دیتے ہیں بالکل مختلف معلوم ہوتی ہیں، ایک چیز عملی ہے۔ دوسری نظری، ایک قول ہے دوسری فعل، ایک جنگ ہے دوسری جنگ کا نظارہ، ایک کشتی ہے اور دوسری دریا، لیکن اگر تھوڑی دیر کیلئے ہم ٹھنڈے دل سے غور کریں اور عملی و نظری، قول و فعل، جنگ و نظارۂ جنگ اور کشتی و دریا ہی کے تعلق کو معلوم کریں تو یقیناً ہم اس نتیجہ پر پہنچ جائینگے کہ ادب اور زندگی میں بھی ایک ایسا ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر رابطہ موجود ہے، یقیناً ادب و زندگی میں بہت گہرا تعلق ہے، یہ سچ ہے کہ زندگی مقدم ہے اور زندگی ہی سب کچھ ہے، اور ادب اسکی حقیقت اور اسکے اسرار کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے، لیکن اگر سلطان زندگی کی باسطوت و جبروت بارگاہ میں ایک یہی غلام نہ ہو تو نہ کوئی اسکے جمال جہاں آرا کا مشاہدہ کر سکے، نہ اسکے دربار کی حشمت و شوکت برقرار رہ سکے، اور نہ اسکے احکام و اوامر نافذ ہو سکیں، ہاں، ادب زندگی کا آئینہ دار ہے، ادب زندگی کا نگاہدار ہے، اور ادب زندگی کا پروردگار ہے۔

کائنات کے آسمانی و زمینی مظاہر کے تغیرات دنیا کے مختلف مقامات میں مختلف صورتیں پیدا کرتے ہیں اور ان اختلافات کے باعث اقوام و ملل کا تمدن مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے، قوموں کی زندگی کے ان تغیرات سے آگاہی ہمیں تاریخ کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان ظاہری واقعات کا منبع کوئی اور ہی چیز ہے، ہاں یہ نتیجہ ہیں ان واقعات کا جو قوموں کی معنوی زندگی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جنکی جولانگاہ افراد قوم کے دل و دماغ ہیں، یہی قوموں کی حقیقی تاریخ ہے اور اسی کے لئے ہم ادیب کے جادو نگار قلم کے ممنون ہیں جو دلوں کی مملکت کے تغیرات کی نقاشی کر کے قوم کی حقیقی زندگی کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے، ہندوستان کی زندگی کو مختلف ادوار میں معلوم کرنیکے لئے ہمیں ہندوستان کے ادب کا مطالعہ کرنا ہوگا، ایرانی زندگی کیلئے ایرانی ادب کی طرف رجوع کرنا ہوگا، یونان کی زندگی کے لئے یونانی ادیب کا محتاج ہونا پڑیگا اور پھر اگر ہم انسانی زندگی کو بالعموم سمجھنا چاہیں تو ایک ایسے ادیب کے سامنے زانوئے نیاز تہ کرینگے جو قومی و ملی امتیازات سے بالاتر ہو کر انسان کے شخصی و اجتماعی احوال کے تغیرات اور اسکی فطرت کے اسرار کی نقاشی کرتا ہے، پس ادب کے

ذریعے ہی سے ہم زندگی کے خط وخال کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، ہاں، ادب زندگی کا آئینہ دار ہے۔

حیاتِ انسانی نہایت پیچیدہ شے ہے، سینکڑوں ولولے، ہزاروں امنگیں، اور لاکھوں امیدیں ہیں جن کی کشاکش کے باعث رنگا رنگ کیفیتیں صورت پذیر ہوتی ہیں، پھر انسان میں خدائی اور شیطانی طاقتیں ودیعت رکھی گئی ہیں فطرت کا تقاضا ہے کہ خدائی طاقت یعنی نیکی اپنا کام کئے جائے لیکن شیطانی طاقت یعنی بدی راستے میں حائل ہو جاتی ہے اور اعمالِ انسانی کی رَو کو بدل دیتی ہے، اس صورت میں نہایت ضروری ہے کہ فطرت کے حقیقی توازن کو قائم رکھنے کیلئے ایک ایسی چیز ہو جو حقیقت کو پیشِ نظر کر سکے، یہ فلسفہ ہے، لیکن اس سے ہماری مراد خشک مشکل فلسفیانہ اصطلاحات نہیں بلکہ حقائقِ اشیاء وامور سے کماحقہٗ آگاہی ہے، ہر قوم جو زندہ ہے یا جس میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے، اُس میں وقتاً فوقتاً ایسے اشخاص پیدا ہوتے رہتے ہیں جنکو ہم پیغمبر، شاعر، حکیم، خطیب، وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہ حیاتِ انسانی کی پیچیدگیوں کا احساس اور اندازہ کرنیکے بعد ایک دستور العمل چھوڑ جاتے ہیں جو حقیقت کے لئے معیار اور زندگی کے لئے ایک نصب العین کا کام دیتا ہے، انکے حیات آموز الہامات، حیات آفریں نغمات، حکمت آمیز مواعظ اور زندگی بخش خطبات قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں، اس تمام ذخیرے کو ہم ادب کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جسکے ذریعے سے اس قوم کے افراد منازلِ حیات کو آسانی سے طے کر سکتے ہیں اور اپنی صحیح زندگی کو برقرار رکھ سکتے ہیں، ہاں، ادب زندگی کا نگاہدار ہے +

لیکن ادب کا یہ قیمتی سرمایہ ہمیشہ کسی قوم کی زندگی کی نگاہداری نہیں کر سکتا، زمانے کی روش بدلتی رہتی ہے، ہولناک انقلابات رُونما ہوتے ہیں، طوفانی حوادث بادِ صرصر کی طرح متاعِ حیات کو اُڑا لے جاتے ہیں، پیہم صدمات سے قوائے عملی مضمحل ہو جاتے ہیں، زندگی کا نصب العین آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، قومی خصائص مٹ جاتے ہیں، حیاتِ حقیقی کا خوبصورت چہرہ تاریکی کے پردوں میں رُوپوش ہو جاتا ہے، غلامی تمام اطراف سے احاطہ کر لیتی ہے، اُمنگیں اور ولولے دب کر رہ جاتے ہیں، اخلاق فاسد ہو جاتے ہیں، نیکیوں پر بدیاں چھا جاتی ہیں، ادب کے وہ تمام قیمتی دفاتر طاق میں پڑے رہ جاتے ہیں۔ اور قوم مرگ کی گہرائیوں میں غرق ہو جاتی ہے، ایسے آڑے وقت میں تاریخ اور فلسفہ کام نہیں دیتے، وہ ادب جو فقط زندگی کی نگاہداری کر سکتا ہے۔ اب تقویمِ پارینہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس موقع پر تو وہ ادب چاہیئے جو زندگی بخشے اور بند پانی میں حرکت پیدا کر دے! ہاں، اب اُس ادب کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو حقیقی تاریخ اور حقیقی فلسفہ ہونیکے علاوہ حیات آفریں اور حیات بخش بھی ہو، اس مقام پر ایسا شخص درکار ہے۔ جو نہایت حسّاس ہو جس کا تخیل بہت وسیع و بلند ہو اور جس کا بیان دلربا موسیقی سے لبریز ہو، تاکہ وہ دولتِ گم گشتہ کا احساس کر سکے، زندگی کے روشن چہرے کو دیکھ سکے، اور پھر اپنی آتش زبانی و جادو بیانی سے افرادِ قوم کے دلوں

میں امید و ولولہ کا شعلہ بلند کرکے انہیں اُس نصب العین کی طرف اپنی موسیقی کی رَو میں بہالے جائے اور حیاتِ حقیقی سے ہم آغوش کر دے، قومی زندگی میں یہ ایک محض تبدیلی نہیں بلکہ ایک زبردست انقلاب ہے جو کبھی سیاسی ہوتا ہے اور کبھی اجتماعی لیکن یہ سیاسی اور اجتماعی انقلابات ہرگز واقع نہیں ہو سکتے جبتک ایک ذہنی انقلاب کا دَور دَورہ نہ ہو جائے، اعمال ہمیشہ افکار کے ماتحت ہیں اس لئے نہایت ضروری ہے کہ سیاسی یا اجتماعی انقلاب کے ظہور پذیر ہونے سے پیشتر اُس قوم کے افراد کے دلوں میں ایک زبردست انقلاب ہو، اور یہ اُس شخص کی آتش بیانی کا نتیجہ ہوتا ہے جسے دُنیا گو پیغمبر یا حکیم یا خطیب کا لقب دینا پسند کرے لیکن ہم شاعر کے نام سے یاد کرنا موزوں سمجھتے ہیں، کیونکہ اسکے معنی ہیں صاحب حسّ و شعور، اسکے افکار، اقوال، بیانات، نغمات سب شعر ہیں اور حسّ و شعور سے لبریز، یہی وہ ادب ہے جس میں خلاقیت ہے۔ جو زندگی کا پیدا کرنے والا اور اُسکی پرورش کرنیوالا ہے؛ ہاں، ادب زندگی کا پروردگار ہے ؎

ادب اور زندگی کا تعلق اب واضح ہے، ادب تو یقیناً زندگی ہی کا دودھ پی کر پلا ہے اور اس کا مقصد زندگی کی خدمت کے سوا کچھ نہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زندگی ادب ہی کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہے اور اسی کے وجود سے اسکی شاندار ہستی کا قیام وابستہ ہے، ابتدا میں انسانی زندگی کا مفہوم کھانے پینے اور سونے تک محدود تھا لیکن ادب کے باعث ذہنِ انسانی ترقی کرتا گیا اور زندگی کا نصب العین ارفع و اعلیٰ ہوتا گیا؛ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ادب کو زندگی کا خلّاق اور پروردگار قرار دیا ہے، زندگی ادب کا سرمایہ ہے اور ادب زندگی کا سرمایہ، زندگی کی خوبی خود ادب کی خوبی ہے، ادب کے لئے لازم ہے کہ زندگی کا آئینہ دار ہو، زندگی کا نگاہدار ہو، اور زندگی کا پروردگار ہو۔ ہاں، حقیقی ادب وہ ہے جس کا موضوع زندگی ہو۔ کثیف مادی زندگی نہیں بلکہ پاک روحانی زندگی، کذب و دروغگوئی کی زندگی نہیں بلکہ صداقت، راستبازی کی زندگی، تملّق و چاپلوسی کی زندگی نہیں بلکہ غیرت و حمیّت کی زندگی، جُبن و ہراس کی زندگی نہیں بلکہ شجاعت و جوانمردی کی زندگی، غلامانہ زندگی نہیں بلکہ آزاد زندگی ــــ اور حقیقی ادیب وہی ہے جو زندگی کا ایک ایسا شاندار نصب العین قائم کرے جس میں پتھر کی سختی ہو، پھول کی خوبصورتی ہو، شبنم کی پاکیزگی ہو، آفتاب کی درخشانی ہو، دریا کی روانی ہو، پہاڑوں کا وقار ہو اور مینہ کا ایثار ہو، اور جسے حاصل کرنے کے بعد انسان کے جسمانی و روحانی قوٰی میں کم ازکم اتنی قدرت تو پیدا ہو جائے کہ وہ حسنِ حقیقت کے جلوے سے آنکھ کو روشن کر سکے اور اپنے خالق سے براہِ راست ہمکلام ہو سکے ؎

(محمد اکبر منیر)

نوجوانوں کے لئے

دُنیا میں ایک المناک حقیقت ہے۔ جس کے متعلق شاید ہی کبھی کسی نے قلم اُٹھایا ہوگا اور جس کو غالباً بہت ہی کم لوگوں نے محسوس کیا ہوگا۔ بلکہ خود وہ لوگ جو اس المناک حقیقت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور جن کے حصہ میں بیکسی اور تنہائی کی مُصیبت آچکی ہے اس بیکسی اور تنہائی کی مُصیبت کا اصل سبب معلوم کئے بغیر اسکو برداشت کئے چلے جارہے ہیں۔ اس المناک حقیقت سے میرا مطلب نوجوانوں کی وہ حالت ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے ہم عمروں کی صحبت سے محروم رہتے ہیں، وہ زندگی کی ہر منزل پر اپنے ہم عمروں سے ایک قدم آگے یا ایک قدم پیچھے رہنا چاہتے ہیں۔ جوانی کے دنوں میں وہ عام طور پر ان لوگوں میں اُٹھنا بیٹھنا پسند کرتے ہیں جو بلحاظ عمر کے انکے والدین کے برابر ہوتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے بے پرواشباب کی معصوم اور بیفکر مسرتوں کی توہین کرتے ہیں۔ وہ اپنے تمام خیالات کو عمر رسیدہ لوگوں کے خیالات سے ہم آہنگ کر لیتے ہیں، یہانتک کہ آخر کار انکے خیالات اُن لوگوں کے خیالات کی محض ایک صدائے بازگشت معلوم ہونے لگتے ہیں۔ جن کے نقطۂ نظر کا انہیں درحقیقت کچھ مزید تجربہ کے بعد احساس ہونا چاہیئے تھا۔ بڑے بوڑھے لوگونکی خشک حقیقت پرستی کے شوق میں وہ جوانی کی بے فکریوں اور غیر ذمہ داریوں کی اس مسرت کو کھو بیٹھتے ہیں جو یقیناً اُنکا حصہ تھی۔ یہ بھی ایک قسم کی اکابر پرستی ہے۔ جس کا انجام آخر کار افسوسناک ہوتا ہے۔ اکابر پرست ہر چیز کو اکابر ہی کی آنکھوں سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ عادت اُسے اُس کھلکھلاتی ہوئی ہنسی سے جس کا مقصد صرف ہنسنا ہی ہوتا ہے اور جو جوانی کا مسلّمہ حق ہے محروم کر دیتی ہے۔ اور ابھی یہ انکے المناک انجام کی ابتدا ہوتی ہے۔ کیا یہ المناک انجام نہیں ہے، اس کا احساس ان کو بعد میں جاکر ہوتا ہے لیکن یہ ایک کھلی ہُوئی حقیقت ہے اور ہر شخص جس کو خواہش ہو اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے کہ وہ لوگ جو فطرت کے منشاء کے خلاف قبل از وقت اپنے دماغوں کو پختہ عمری کی طرف دھکیلتے ہوئے لیجاتے ہیں۔ عمر میں جتنا بڑھتے ہیں ذہنی حیثیت سے اُتنا ہی گھٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ آخر کار اس وقت جبکہ ان کو ادھیڑ عمر کے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا چاہیئے تھا۔ انکی خفیف حرکات جوانوں کو بھی شرماتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا فطرت جو ہر شخص کی زندگی میں ایک خاص منزل پر پہنچ کر بیفکر اور غیر ذمہ دار ہو جانا چاہتی ہے۔

اس طرح اس مزاحمت کا انتقام لے رہی ہے جو صحیح وقت پر اسکے راستے میں ڈال دی گئی تھی ؎

شائد تم اس المناک انجام پر ہنس دو گے۔ لیکن ہنس دینا، آہ! صرف ہنس دینا تو اس انجام کی الم انگیز کیفیات کو کم نہیں کر دیتا۔ لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ ہمیشہ زندگی کے ان انجاموں کو جو صحیح طور پر المناک کہلانے چاہئیں۔ ہنسی میں ٹال دیتے ہیں۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کی الم انگیز کیفیات روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہیں لیکن جن کو غم خوردہ لوگ اپنے تبسم کے پردے میں چھپائے رکھتے ہیں باایں ہمہ اگر کوئی عورت یا کوئی مرد اپنے ہم عمروں کے طبقہ میں اپنے لئے دوست نہیں پاتا۔ تو اس کی زندگی بڑی بیکسی اور تنہائی کی زندگی ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ کیونکہ تنہا ہونے کے علاوہ وہ زندگی بیہودہ اور بے معنی بھی ہے ؎

ایسے شخص کو اپنی آئندہ زندگی میں خواہ کتنی ہی شان و شوکت حاصل ہو جائے۔ لیکن پھر بھی وہ زندگی کی مسرتوں کے اس گنج گرانمایہ سے ضرور محروم رہ جاتا ہے جو اس کے دل میں پوشیدہ تھا۔ مگر یا تو اُسے اُس کی آنکھوں نے نہ دیکھا اور یا جان بوجھ کر اس نے اس سے بے اعتنائی کی بہرحال اس نقصان کی تلافی دنیا کی کوئی دولت بھی نہیں کر سکتی۔ بہت سے نوجوان صرف اس مہلک فریب کا شکار ہو کر اپنے ہم عمروں سے بے اعتنائی کرتے ہیں کہ گفتگو کے قابل وہی لوگ ہیں جو اس دُنیا میں کچھ منازل طے کر چکے ہیں لیکن عموماً وقت گزرنے پر معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ جن باتوں کو سُن سُن کر وہ کبھی جھوما کرتے تھے، درحقیقت وہ اس قابل بھی نہ تھیں کہ انہیں سُنا ہی جائے۔ لیکن جب انہیں ہوش آتا ہے تو وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ اس وقت انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ نوجوان لوگ دنیاوی افکار سے آزاد رہنے میں کس قدر دانا واقع ہوئے تھے۔ اٹھارہ بیس سال کے نوجوانوں میں سے بہت اس انتظار میں رہتے ہیں کہ ان کی عمر چالیس سال کی ہو جائے۔ لیکن جب وہ چالیس سال کے ہوتے ہیں۔ تو یہ دیکھ کر اُن پر مایوسی چھا جاتی ہے کہ اٹھارہ بیس سال کی عمر میں انہوں نے اپنی زندگی کے اس دَور کو ضائع کر دیا ہے۔ جس میں مسرت و انبساط کے خزانے پوشیدہ تھے۔ پس دنیا میں انسانی زندگی کے یہ دو حسرتناک انجام تمہیں نظر آئینگے۔ ایک اس وقت جب نوجوان بیس اکیس سال کی عمر میں متانت سنجیدگی اور ہمہ دانی کا مجسمہ بنا ہوتا ہے۔ اور ایک اس وقت جبکہ وہی شخص پچاس برس کی عمر میں جوانی کا زعم باطل لئے ہوئے بے وقت کا راگ الاپتا ہے۔ اگر زندگی میں تمہیں مسرت اور سکون کی تلاش ہے۔ تو تمہارے لئے یہی افضل ہے۔ کہ اپنے ہم عمروں سے مِل جُل جاؤ۔ خواہ تمہیں وہ لوگ نامعقولوں کا مجمع کیوں نہ نظر آئیں۔ اور اگر یہ نہیں تو بے کسی اور تنہائی کا بھیانک بادل تمہارے جادۂ حیات کو تاریک کر دیگا۔ جوانی میں لوگوں کو بوڑھا بننے کا شوق ہوتا ہے

کیونکہ ان کی نظروں میں بڑوں کی رائے کے ساتھ اتفاق ہی عقل و دانش کا مترادف ہوتا ہے۔ لیکن تو!جب وہ سچ مچ بوڑھے ہوجاتے ہیں، تو انہیں بہت ہی کم ایسے لوگ ملتے ہیں جن سے مل کر وہ گزری ہوئی باتوں کا تذکرہ کرسکیں۔ کہ بڑھاپے کے غم کی تسکین گزرے ہوئے زمانہ کی یاد ہی سے ہوتی ہے۔ وہ پلٹ کر شباب کے پیچھے جاتے ہیں اس کی خوشیوں سے اپنا حصہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے دل میں خیال کرتے ہیں کہ ابھی ہم شباب کا مفہوم سمجھنے سے قاصر نہیں ہوئے۔ لیکن انہیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ شباب انہیں قبول کرلیگا۔ ان کا وجود شباب کے لئے ایک ناخواستہ بار ہوگا۔ کیونکہ انسان صرف اپنے ہم عمروں ہی کے سامنے بے تکلفانہ طور پر اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہوسکتا ہے ⁂

بعض لوگ اس بات سے بہت ہچکچاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ان لوگوں میں شامل کردیں۔ جو ہر روز بلکہ دن کے ہر لمحہ میں زندگی کے حیات افروز نُور سے محروم ہوتے چلے جارہے ہیں لیکن جلد یا بدیر آخر انہیں یہ کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس میں اُنکے سکونِ قلب کا سرمایہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ دنیا میں بہت کم نظارے ایسے ہیں، جن کو دیکھ کر ہمیں اتنا رنج ہو جتنا ہمیں عمر رسیدہ لوگوں کو دوسرے بڈھوں سے محض اس لئے نفرت کرتے ہوئے دیکھ کر ہوتا ہے کہ وہ خود بھی بڈھے ہیں۔ شاید تم کہوگے کہ تمہیں کبھی ایسی صورتِ حالات سے سابقہ نہیں پڑا لیکن میری بات پر یقین کرو یہ ایک نہایت ہی عام نظارہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ لوگ اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔ مگر اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم خود اپنے نفس کے سامنے بھی شاذ و نادر ہی دیانت سے کام لیتے ہیں ⁂

بڑھاپا بہت سریع الاحساس واقع ہؤا ہے۔ اور یہی حالت شباب کی بھی ہے۔ لیکن شباب کی یہ حالت بڑھاپے کی طرح قابلِ رحم اور رنج دہ نہیں۔ شباب کے پاس قوت و ہمت کو حاصل کرنے کے لئے کافی وقت ہوتا ہے۔ عمر رسیدہ لوگ اس کی جرأت و قوت کو دبانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کریں۔ اور اس حیلہ سے اپنے زندہ رہنے کے حق کو کتنا ہی مامون و مصئون بنائیں۔ لیکن پھر بھی بازی شباب ہی کے ہاتھ میں رہیگی ⁂

رچرڈ کنگ

منصور احمد

کسی روز

دُنیا کی گرد آلود کہکشاں نے میری اور تیری محبت کے تاروں کو مُدت سے جُدا کر رکھا ہے!
ہم دُور ہی دُور ٹمٹماتے اے جان! ہم دُور ہی دُور آنسو بہاتے ہیں!
تو مشرق میں تاروں کے ایک جھرمٹ سے الگ کھڑی ہے اور میں مغرب میں مہ زرد رو سے کچھ دُور پڑا ہوں!

وہ جھلملاتے تارے اور یہ زرد سا کمہلایا ہُوا چاند تیری آرزوئے اُلفت اور میری تمنائے محبت کی پیاری آرامگاہیں ہیں ـــ لیکن ہم خود تو دُور ہی دُور ٹمٹماتے ہیں اے جان! ہم دُور ہی دُور آنسو بہاتے ہیں! ـــ کیونکہ دُنیا کی گرد آلود کہکشاں نے میری اور تیری محبت کے تاروں کو مُدت سے جُدا کر رکھا ہے!

آہ اے میری دُور اُفتادہ رفیقِ زندگی! محبت کی وفا پرستی کیا فُرقت کی ستم کیشی کے لئے تھی؟ محبت کیا اس لئے ضیا ریز ہوتی ہے کہ اُسکی اچھوتی روشنیاں جدائی کی تاریکیوں میں یوں بھولی بھٹکی پھرا کرتی رہیں؟ ـــ ہائے! محبت تو اس لئے سینوں میں چمکتی ہے کہ دلوں کی نرم و نازک ترین کرنیں مِل جُل کر اپنے پاکیزہ نُور سے چند روز کی اس محفل کو اک جگمگاتی ہُوئی بزم چراغاں کر دیں!

ہم کیوں دُور ہی دُور ٹمٹمائیں۔ اے جانِ من! ہم کیوں دُور ہی دُور آنسو بہائیں؟ ـــ اگر دُنیا کی کہکشاں نے میری اور تیری الفت کے معصوم تاروں کو جُدا کر دیا ہے تو کیا ڈر ہے کہ جبتک تیری معصومیت میں رعنائی اور میری محبت میں بے پروائی کی قوت ہے جبتک تیرے سراپا کو عفت اور میرے نفس کو رقت سے پیار ہے اس وقت تک اے جانِ جاں! اس جدائی میں کچھ بُرائی نہیں یہ فراق کچھ ایسا شاق نہیں اس وقت تک ہمارے دل اس زبردست اُمید سے معمور ہیں کہ کسی روز حُسن و محبت کی مُتحدہ قوتیں قسمت کے میدان میں دُنیا جہان کی پُرفریب زحمتوں کو فاش شکست دے کر ہمارے لئے زندگی کی راہ صاف کر دینگی!

"باغباں"

سب سے زیادہ دُنیا کو کس شے کی ضرورت ہے؟

اگر مجھے دُنیا میں ہر قسم کے اختیارات دے دئے جائیں اور میں چاہوں کہ کوئی ایسی بات کروں جو نوعِ انسان کے لئے سب سے زیادہ مفید ثابت ہو تو بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میں قطعی طور پر نہ کروں ۔

میں ہر شخص کو زر و دولت نہ دوں کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کو اگر دس دس لاکھ روپیہ بھی مل جائے تو اب کی بہ نسبت اوروں کے مقابل میں ہماری حالت کسی طرح بہتر نہ ہو ۔

میں دنیا میں بہترین نظامِ حکومت رائج نہ کروں کیونکہ اچھے سے اچھے قوانین بھی بُرے لوگوں کو بھلا نہیں بنا سکتے میں علالت اور موت کو موقوف نہ کروں کیونکہ زندگی کے اعلیٰ ترین حقائق کا پتہ ہمیں جس قدر ان دو چیزوں سے ملتا ہے کسی چیز سے نہیں مل سکتا ۔

میں علمِ طبیعیات کے سب اسرار کا جواب شاید صدیوں میں جا کر دریافت ہوں ایک دم انکشاف نہ کروں کیونکہ علم کا بہترین حصّہ اُس کی تلاش ہے ۔

میں ابھی سے آئندہ ہزار سال کی ایجادوں کا بھید ظاہر نہ کردوں کیونکہ ایجادیں اُسی وقت ہوتی ہیں جب انسانیت اُنکے لئے تیار ہو ۔

میں جو بات کروں وہ یہ ہے ۔ دُنیا میں میں ایک عدیم النظیر عقلمند ایک شیریں و بیباک انسان بھیجوں اور اُسے بس اتنی مُدت تک دُنیا میں رہنے دوں کہ کچھ لوگ اُس سے انتہا درجہ محبت کرنے لگیں اور اُسکی سیرت کا اک گہرا نقش اُنکے دلوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثبت ہو جائے ۔ اُس کی شہرت کئی نسلوں تک جاری رہے ہم سب اُسکے عشق کا دم بھریں ہم اُس پر اپنی جانیں نثار کرنیکو تیار ہو جائیں اور پھر رفتہ رفتہ اُسکے سانچے میں ڈھل کر ہو بہو اُس کی تصویر بن جائیں ۔

مجھے کامل یقین ہے کہ ایسا کرنے سے میں نوعِ انسان کو سب سے زیادہ فائدہ اور سب سے کم نقصان پہنچاؤں ۔

گُلچیں

راگنیاں

تُو اک لمحے کے لئے میرے پہلو میں آئی اور عورت کی اُس زبردست ادا کے ساتھ جو قلبِ آفرینش میں مستور ہے تُو نے مجھے چھُو دیا! وہ جو ہمیشہ خُدا کو اُس کی اپنی ہی شیرینی کا وفور واپس بھیجتی رہتی ہے وہ قدرت کا نت نیا حُسن اور نت نئی جوانی ہے، وہ لہریں لیتی ہُوئی ندیوں میں رقص کرتی اور صُبح کی روشنیوں میں نغمہ زن ہوتی ہے۔ وہ تشنہ زمین کو اپنی اُبھرتی ہُوئی موجوں کے ساتھ سیراب کرتی ہے۔ اُس کے نفس میں وہ دائمی وجود اک ایسی مسّرت سے جو اپنے تئیں ضبط نہیں کرسکتی دونیم ہو جاتا ہے اور بے اختیار دردِ محبت میں بہہ نکلتا ہے!

اے عورت! پھر میری خستہ زندگی میں وہ خوبصورتی اور ترتیب پیدا کر دے جو تو میرے گھر جیتے جی لائی تھی۔ اِن گھڑیوں کے خس و خاشاک کو صاف کر دے اس خالی برتن کو لبریز کر اور ہر شئے کو جسکی دیکھ بھال نہیں ہُوئی درست کر دے۔ حرم کا اندرونی دروازہ کھول کر شمع کو روشن کر اور پھر آ کہ وہاں خاموشی میں اپنے خُدا کے سامنے میں اور تُو دونوں مل جائیں!

وہ وقت گذر چکا ہے جب میں اس کی تمام عنایات کا صلہ اُسے دے سکتا تھا، اُس کی رات اپنی صبح کو پا چکی ہے اور تُو نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا ہے اور اب تیرے پاس میں اپنی شکر گذاری اور اپنے اُن تحائف کو لیکر آیا ہوں جو اُس کے لئے تھے، اُس سارے دُکھ درد کے لئے جو میں نے اُسے پہنچایا میں تیرے حضور معافی کا خواستگار ہوں اور اب تیری خدمت کے لئے میں اپنی محبت کے اِن تمام پھُولوں کو نذر کرتا ہوں جو ابھی بند کلیاں تھیں جب وہ اُن کے کھِلنے کا انتظار کیا کرتی تھی۔

گلچیں

میرا ترانہ ہندی میری نوا حجازی

لائی سحر فلک سے پیغامِ پاکبازی
اللہ کی بارگہ میں حاضر ہوئے نمازی

اُٹھ مستِ خوابِ غفلت! اللہ کا نام لیکر
ہے وقتِ چارہ جوئی ہے وقتِ چارہ سازی

خالق سے لَو لگانا، خلقت سے پیار کرنا
یہ عشق ہے حقیقی، وہ عشق ہے مجازی

میں تیری جستجو میں، تُو بزمِ ہاؤ ہُو میں
وہ میری بیقراری، یہ تیری بے نیازی

حُسن اَور عشق دونوں ہیں نُورِ آسمانی
اِک نُورِ جاں نوازی، اِک نُورِ جانگدازی

میں آبشارِ کوہی، میں رود بارِ صحرا
میرا ترانہ ہندی، میری نوا حجازی

آئی ہے آسماں سے، جائیگی آسماں پر
میری سخن سرائی، میری سخن طرازی

(شاعر گمنام)

محفلِ ادب

انگریزی زبان میں تاریخ گوئی

فنِ تاریخ گوئی ادبی حیثیت اور تقویم زبان کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن دلچسپ و عجیب ضرور ہے اور السنۂ سہ گانہ (عربی۔ فارسی۔ اُردو) کی ایک نادر خصوصیت ہے۔ مجھے ایک عرصہ سے جستجو ہے کہ تاریخ گوئی کی ابتداد ایجاد و موجد کا حال معلوم ہو لیکن نہ ہو سکا۔ علامہ شبلی مرحوم سے بھی میں نے دریافت کیا تھا وہ بھی نہ بتا سکے السنۂ مذکورہ کے علاوہ اور زبانوں میں یہ صنعت نہیں پائی جاتی۔ انگریزی حروف تہجی میں سے صرف سات حرفوں کے اعداد مقرر ہیں (I=1-V=5-X=10-L=50-C=100-D=500-M=1000)

یہ حروف تاریخ گوئی کے لئے ناکافی ہیں لیکن اس پر بھی بعضوں نے طبع آزمائی کی ہے اور کھینچ تان کر، تعمیہ تجزیہ کر کے تاریخ پیدا کی ہے۔ میں دو تاریخیں پرفیسر ای۔ جی براؤن کی کتاب "تاریخ ادبیات ایران" سے پیش کرتا ہوں جو کم سے کم مستشرقین یورپ کی فن تاریخ گوئی سے دلچسپی کا تو ثبوت ہیں۔

۱۔ مسٹر ہرمن بکنل (HERMAN BICKNELL) نے حافظ شیرازی کی تاریخ وفات ان کی مشہور تاریخ وفات "خاک مصلّی" (۷۹۱ھ) سے اس طرح نکالی ہے۔

Thrice take thou from MUSALLAS EARTH
ITS RICHEST GRAIN.

اس کا ترجمہ یہ ہے "خاک مصلّی سے اس کا سب سے قیمتی دانہ تین بار نکالو"۔ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ پہلے مصرع کے جلی لکھے ہوئے الفاظ میں جتنے قابل اعداد حروف ہیں ان کے اعداد میں سے دوسرے مصرع کے قابل اعداد حروف کے عدد تین بار نکال لئے جائیں مصرع اول میں صرف تین حروفِ اعداد ہیں MLL جن کے عدد (۱۱۰۰) ہوئے دوسرے مصرع میں یہ چار حرف ہیں (ICII = ۱۰۳) ان کے تگنے اعداد یعنی ۳۰۹ کو ۱۱۰۰ میں سے نکال لئے تو ۷۹۱ باقی رہتے ہیں۔

یہ زبردستی کی تاریخ ہے تاہم کوشش و تلاش اور شوق و دلچسپی قابل تحسین ہے لیکن ہماری زبانوں میں اس طرح کا تخرجہ بعض موقعوں پر عجیب لطف پیدا کر دیتا ہے مثلاً کسی کی تاریخ ہے (از حوضِ لطیف آب بردار)

کہ مضمون بھی لطیف اور "حوض لطیف" ہیں سے "آب" کے عدد نکال کر تاریخ بھی بے نظیر ۔

۲۔ دوسری تاریخ براؤن نے ملکہ الزبتھ کے انتقال کی درج کی ہے۔ وہ یہ ہے ۔

MY DAY IS CLOSED IN IMMORTALITY

یعنی میری زندگی غیر فانی ہو کر ختم ہوتی ہے" اس میں ایک اور صنعت کی گئی ہے۔ یعنی تمام الفاظ کے صرف پہلے حروف سے تاریخ نکلتی ہے (MDCIII = ۱۶۰۳)

(زمانہ)

جامِ صہبائی

جناب اثر صہبائی بی اے ایل ایل بی

۱

گھیرے ہوئے ہے شب کی سیاہی مجھ کو ۔۔۔ رہ رہ کے ڈراتی ہے تباہی مجھ کو
تابانیِ آفتابِ اُمید مگر ۔۔۔ دیتی ہے پیامِ صبحگاہی مجھ کو

۲

گو بحرِ حوادث کا تلاطم نہ گیا ۔۔۔ بر بط سے مرے لطفِ ترنم نہ گیا
وہ زندہ دلِ دہر ہوں اے "صہبائی" ۔۔۔ تا زیست مرے لب سے تبسم نہ گیا

۳

ہنگامِ شباب غرقِ عصیاں ہوں میں ۔۔۔ پیری میں رہینِ ذکرِ یزداں ہوں میں
ہیں سلسلۂ زیست کی بھی دو کڑیاں ۔۔۔ سرکش ہوں کبھی، کبھی پشیماں ہوں میں

(معارف)

افسانہ کی تخلیق ۔ قصہ گوئی انسان کا قدیم ترین اور نہایت دلچسپ مشغلہ رہا ہے۔ انسان میں تقلید اور نقل اتارنے کا مادہ فطرتاً ودیعت کیا گیا ہے۔ چنانچہ مسٹر بارٹن کا خیال ہے کہ آنکھ کھلتے ہی انسان نے

جن اشیاء کو اپنے گرد و پیش دیکھا، ان کی نقلیں اتارنی شروع کیں۔ پہلے پہل یہ کام پتھروں اور درختوں کے تنوں پر نقوش اور تصاویر اتارنے تک محدود تھا، جو کندوں کی شکل میں ہم تک پہنچتے ہیں، یہ جذبہ حیات انسانی کے ابتدائی دور میں جس شدت کا تھا۔ اُس کا پتہ متذکرۂ بالا پتھروں پر کے کندہ نقوش اور تصاویر سے بخوبی چل سکتا ہے، جو اس دور کے قوی ترین آثار ہیں، قدیم مصر کے خط تصویر کی پیدائش اسی احساس کی مرہون منت ہے۔ جس کے کتبے وادئی رود نیل میں بکھرے ہوئے دستیاب ہوتے ہیں۔ انسان کی اختراع اور تنوع پسند طبیعت جب اس مشغلہ سے اُکتا گئی اور قوتِ گویائی بھی بڑھ گئی تو اُس نے قصہ گوئی کی طرف توجہ کی، زبان ترقی کے جس قدر مراحل طے کرتی چلی آرہی ہے، قصہ گوئی نے بھی کئی پہلو بدلے ہیں، چنانچہ قصہ، کہانی، حکایت، افسانہ، ڈراما اور موجودہ فنی ناول اسی کی مختلف صورتیں ہیں +

رچرڈ برٹن اپنی کتاب "اسٹرس آف دی انگلش ناول" کا آغاز اس طرح کرتا ہے کہ :-

"کہانیاں ساری دُنیا کی پیاری ہیں، اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ قصہ گوئی کا آغاز اسی وقت سے ہُوا ہو، جس وقت سے کہ انسان نے کھڑا ہونا سیکھا"

مائز لکھتا ہے کہ :-

"فنی قصہ گوئی، افراد انسانی کا قدیم ترین مشغلہ ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو قلب انسانی میں مستحکم طور پر جاگزیں ہے سب سے پہلے صورت ساز کے ہاتھ پتھر کی چٹانوں سے ابھی بھدی شکلیں پیدا کرنے کے قابل بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس قابلیت کا نشو و نما ہو چکا تھا، قدیم نظمیں درحقیقت قصہ کے لباس میں دنیا کے سامنے پیش ہُوئی ہیں"

غرض افسانہ کی تخلیق کا خیال اور اسکے جد اعلیٰ کی جستجو ہمکو اس قدیم زمانہ تک لیجاتی ہے جس میں زبان کے ابتدائی قواعد مدون تک بھی نہ ہوتے تھے، مگر قصے اور کہانیاں بڑے بوڑھوں کی نوک زبان اور بچوں کے صفحۂ دل پر نقش تھے مقدس ہستیوں کے حالات اور بہادروں کے کارنامے روایتوں کی شکل میں سینہ بسینہ چلے آتے تھے، لیکن قصہ کی وہ شکل موجودہ شکل سے بالکل مختلف اور غیر منتظم تھی اُن میں جانوروں اور بے جان چیزوں سے انسان کا کام لیا جا سکتا تھا، اور اُن میں انسانی لوازمات فرض کر لئے جاتے تھے فوق العادت واقعات اسکے روح رواں بنے ہوئے تھے۔ اس کا ہیرو "رستم" یا "حاتم" سا برائے نام انسان، مگر سیرت میں فرشتہ، دیو یا شیطان ہوتا، اور اسی طرح ہیروین بھی ہوتی یا تو وہ اِندر کے اکھاڑے کی کوئی

خوبصورت پری، یا بھوت، چڑیل ہوتی تھی، اسکے پلاٹ کے لئے کسی خاص سرزمین کا ہونا ضروری نہ تھا۔ بہرحال جو چیز ان قصّوں میں نمایاں ہے وہ مصنفین کی ذہنیت اور اُن کا تخیّل ہے اور بس، گویا قدیم افسانے اس سوسائٹی کے خیالات کی ناموزوں یادگار تھیں جس میں انکی تخلیق ہوئی ✦

(نگار)

ادب لطیف۔ آج کل اُردو ادب کا ایک زبردست رجحان لطیف نگاری کی طرف ہے۔ یہ رجحان مولانا ابوالکلام کی طرزِ انشاپردازی اور سررابندرا ناتھ ٹیگور کی نظموں کے اُردو اسلوب کے عناصر سے مرکب ہے اگرچہ ہر ترقی یافتہ زبان میں اس قسم کی طرزِ تحریر کا کبھی نہ کبھی پیدا ہونا لازمی ہے لیکن ابھی اُردو پوری طرح اس قابل نہیں ہوئی تھی کہ اس میں اس قسم کی انشا کثرت کے ساتھ رواج پاتی۔ اُردو کو سنجیدہ نگاری اور علمی مضامین میں ابھی بہت کچھ ترقی کرنی ہے اور افسوس ہے کہ بہت پہلے ہی اس میں اس نوع کا اضافہ اور وہ بھی حد اعتدال سے زیادہ ہونا شروع ہوگیا۔ اس کی کثرتِ استعمال کے اسباب ہم نے اس مضمون کے گزشتہ باب میں بیان کردئے ہیں۔ جناب اصغر (گونڈہ) نے اس کا ایک نفیس نقشہ اپنے ایک مضمون میں جو (انجمن اُردوئے معلیٰ مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استفسارات کے جواب میں لکھا گیا ہے) پیش کیا ہے۔ ہم یہاں اسکے بعض جملے بطور اقتباس نقل کرتے ہیں جن سے اس رُجحان کے متعلق کافی معلومات حاصل ہو سکتے ہیں:۔

"ادب لطیف کا اصلی مفہوم اس لطیف طرز انشا سے ہے جو وسعتِ علم، احساسِ شعریت وحکیمانہ نزاکت خیال کے باہمی امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح پانی کے تلاطم وروانی سے خود بخود موجیں نمایاں ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح علم وفن کے نشر وترقی سے" ادب لطیف" بھی آپ سے آپ عالم وجود میں آتا ہے، اُردو زبان کی موجودہ وسعتوں کو دیکھتے ہوئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ادب لطیف کا وجود کچھ قبل از وقت ہوگیا لیکن اسکی بہتات وفراوانی سے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ کہیں یہ بھی اُردو کی تکمیل میں سدراہ نہ ہو۔ اس لئے کہ زبان کا اصلی وقار اسکے سنجیدہ سرمایہ علمی سے ہے نہ کہ صرف خوبصورت ولطیف طرز انشا سے۔ لطیف طرز ادا کا شمار اعراض میں ہے اور ظاہر ہے کہ اصل واعراض میں حق مرجح کس کا ہے لیکن یہ بحث تو ایک طرف میں تو باستثنائے چند حضرات کے یہ سمجھتا ہوں کہ اُردو "ادب لطیف" کا مفہوم ہی ابھی عام طور سے نہیں سمجھا گیا ✦

(سہیل)

میرؔ۔ غالبؔ۔ اقبالؔ

میں نے انگلستان کے مشہور شاعر ڈرائڈن کی تقلید میں تین شعر لکھے ہیں۔ جو گویا اسی کے تین شعروں کا ترجمہ ہیں۔ ڈرائڈن کے اشعار سُننے کے قابل ہیں، ملٹن کی تحسین کا جدید پیرایہ اختیار کیا ہے

Three poets, in three distant ages born,
Greece, Italy, and England did adorn
The first in loftyness of thought Surpassed
The next in majesty; in both the last
The force of nature could no further go
To make a third, she joined the former two

یہ اندازِ مدح مجھے بہت پسند آیا اور میں نے ہندوستان ہی کے تین اُردو شاعروں کا انتخاب کیا ہے۔ معلوم نہیں عرب و ایران میں بھی اس طرح کا خیال ظاہر کیا گیا ہے یا نہیں۔ فارسی کا ایک یہ قطعہ مشہور ہے ؎

در شعر سہ تن پیمبرانند ہر چند کہ "لانبی بعدی"
ابیات و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی

لیکن یہ تحسین اصنافِ شاعری میں ہے۔ خصائص شاعری میں نہیں۔ بہرحال میرے اشعار یہ ہیں میں نے محاسنِ شاعری کے حصر میں ڈرائڈن سے اختلاف کیا ہے ؎

تین شاعر مختلف اوقات میں پیدا ہُوئے جن کی فیض طبع نے اردو کو گنج زر دیا
ایک اثر میں بڑھ گیا، اک رفعتِ تخئیل میں تیسرے کی ذات میں دونوں کو حق نے بھر دیا
کائناتِ شاعری ہیں بس یہی دو نوں کمال تیسرے میں اس لئے دونوں کو یکجا کر دیا

علیگڈھ میگزین

تبصرہ

اقبال۔ از مولوی احمدالدین صاحب بی۔ اے ایڈووکیٹ لاہور۔ مؤلف سرگزشتِ الفاظ۔

یہ قابل قدر کتاب جو علامۂ اقبال کی اردو شاعری کی ایک دلچسپ تاریخ کہلا سکتی ہے حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ اقبال کے خیالات کے تدریجی نشوونما پر ایک دلکش پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی شاعری کے ابتدائی زمانہ کے حالات اور مختلف اشعار کے متعلق واقعات جس محنت اور کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے لئے بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ اور مفید ہے کہ ایک دفعہ شروع کر کے ختم کئے بغیر آدمی اُٹھ نہیں سکتا۔ حجم ۲۸۴ صفحہ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت بلا محصول عہ مؤلف کتاب سے طلب فرمائیے۔

مذاکرات سال اوّل۔ یہ کتاب مجلسِ مذاکرۂ علمیہ حیدرآباد (دکن) نے شائع کی ہے۔ مجلس مذکور میں سال بھر کے اندر جس قدر مفید اور عالمانہ مضامین پڑھے گئے اس کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں ذیل کی تفصیل سے مضامین کی نوعیت پر روشنی پڑیگی:۔

(۱)۔ **تاج المآثر** (تبصرہ) از سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)

(۲)۔ **جاویدانِ خرد** (تبصرہ) از نواب صدر یار جنگ بہادر شروانی۔

(۳)۔ **جغرافیۂ اندلس**۔ از جناب محمد عنایت اللہ صاحب ناظم دارالترجمہ

(۴)۔ **غزل**۔ از نواب صدر یار جنگ بہادر شروانی۔

(۵) **نظریۂ اضافیت**۔ از ڈاکٹر مظفرالدین قریشی پی۔ ایچ۔ ڈی۔

(۶) **تحفۂ سامی**۔ از نواب صدر یار جنگ بہادر شروانی۔

(۷) **جاپان**۔ از نواب مسعود جنگ بہادر۔

(۸) **کیفیت مجلس مذاکرہ علمیہ**۔ از معتمدِ مجلس جناب سید ہاشمی صاحب۔

یہ کتاب ہر اردو کی لائبریری میں موجود ہونی چاہیئے۔ باطنی محاسن کے علاوہ اس کی ظاہری صورت

بھی نہایت دلکش ہے اور کتابت طباعت اور کاغذ میں جو اہتمام ملحوظ رکھا گیا ہے وہ اردو کی مطبوعات کے لئے باعثِ فخر اور قابلِ تقلید ہے۔ حجم ۹۴ صفحہ کے قریب ہے جلد نہایت عمدہ۔ قیمت سرورق پر درج نہیں معتمد صاحب دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) سے طلب فرمائیے۔

بدھ اور اس کا مت۔ (حصۂ اوّل و دوم) اس کتاب کا حصہ اول بدھ مذہب کے ایک امریکن پیرو مسٹر سٹراس کی تصنیف ہے جس کا ترجمہ پنڈت شیونرائن صاحب شمیم نے کیا ہے حصہ دوم خود پنڈت صاحب کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ ہمارے پیش نظر اسوقت اس کتاب کا دوسرا اڈیشن ہے۔ اس کتاب کا پہلا اڈیشن مفت تقسیم کیا گیا تھا اور غالباً اب بھی یہ کتاب بلا قیمت ہی تقسیم ہو رہی ہے۔ کیونکہ سرورق پر قیمت درج نہیں طبع ثانی کو مولوی امیر احمد صاحب علوی اور پنڈت برجموہن کیفی نے ادبی نقطۂ خیال سے دیکھ لیا ہے۔ بدھ مت کے متعلق اس کتاب میں نہایت مفید اور ضروری معلومات درج ہیں اور ہر شخص جس کو مذاہب عالم سے بالعموم اور بدھ مت سے بالخصوص دلچسپی ہو۔ اس کتاب سے معتدبہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی عمدہ۔ حجم ۲۲۴ صفحے۔ پنڈت شیونرائن صاحب شمیم ایڈووکیٹ لاہور سے طلب فرمائیے۔

سرمایۂ تسکین۔ محمد یٰسین صاحب تسکین کا مجموعہ کلام اس نام سے شائع ہُوا ہے اس مجموعہ میں انکی بہت سی دلکش نظمیں ہیں بعض انگریزی نظموں کے تراجم بھی شامل ہیں۔ محمد یٰسین صاحب ایک با مذاق شاعر ہیں امید ہے کہ اُنکا کلام ملک میں بہت مقبول ہوگا۔ کتاب مجلد ہے کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ حجم ۱۹۰ صفحے۔ قیمت عہ۔ محمد یٰسین صاحب تسکین متصل جامع مسجد بلند شہر سے طلب فرمائیے۔

رسالہ ادبستان۔ ادبستان انجمن معین الادب بمبئی کا ماہوار مصوّر رسالہ ہے جو حال میں جاری ہوا ہے اسکے مضامین نظمیں اور افسانے دلکش ہیں یہ احاطۂ بمبئی کا غالباً واحد رسالہ ہے جو اردو کی خدمت کیلئے وقف ہے اردو زبان کے حامیوں پر اسکی حوصلہ افزائی فرض ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اچھی ہوتی ہے حجم ۴۶ صفحے قیمت سالانہ للعہ ششماہی عہ مینیجر صاحب ادبستان دادر مین روڈ بمبئی ۱۴ سے طلب فرمائیے۔

ہمایوں پنجاب کا سب سے زیادہ موقّر اور غالباً سب سے کثیر الاشاعت رسالہ ہے جو پانچ سال سے مُلک کی شاندار علمی و ادبی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ہمایوں کی عنانِ ادارت نہایت قابل ہاتھوں میں ہے۔ اسکے بلند پایۂ علمی ادبی اور تاریخی مضامین دلچسپ اور دلکش افسانے اور گراں پایہ نظمیں بے نظیر ہوتی ہیں۔ ہمایوں میں آپ بیک وقت ملک کے تمام نئے اور پُرانے انشا پردازوں کی تحریروں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہ رسالہ آنریبل جسٹس میاں محمد شاہ دین صاحب ہمایوں سابق چیف جج پنجاب ہائی کورٹ کی یادگار ہے۔ ہمایوں ایک مستقل سرمایۂ سے جاری کیا گیا ہے اور بفضلہ تعالیٰ جاری رہیگا۔ یہ رسالہ وقتِ اشاعت کی پابندی میں ضرب المثل ہے۔ اس کے ظاہری و باطنی محاسن پر دل کھول کر روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ ہمایوں کے ہر پرچے میں دلکش اور نایاب تصاویر شائع ہوتی ہیں اس کا کاغذ۔ لکھائی اور چھپائی نہایت نفیس۔ ہے چندہ سالانہ ۵ر ششماہی ۳ر علاوہ محصول

المشتہر

مینیجر رسالہ ہمایوں کوٹھی میاں بشیر احمد صاحب بی اے آکسن بیرسٹر ایٹ لا ۔ ۳۰ مزنگ روڈ

لاہور

پشاور سے راس کماری تک

ملک کے ہر حصّہ میں ہزاروں آدمی یہ معلوم کرنے کے لئے بیقرار ہیں کہ **امریکن میڈیسن کمپنی** نے مردانہ طاقت کے لئے جو عجیب الاثر دوائی **گولڈین** کے نام سے ایجاد کی ہے اور جس کے حیرت انگیز فوائد نے ساری دنیا کو محو حیرت کر دیا ہے۔ وہ کہاں سے مل سکتی ہے لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم نے پبلک کے بڑھتے ہوئے اشتیاق کو دیکھکر ہندوستان بھر کے لئے اس دوائی کی سول ایجنسی لے لی ہے۔ اور اب یہ عجیب و غریب چیز ہمارے کارخانہ سے مل سکتی ہے۔

جن لوگوں کو اب تک اس جادو اثر دوائی کے حالات معلوم نہیں ہیں اور وہ اب تک ہندوستان کے دیسی اشتہار بازوں کی خطرناک اور زہریلی دوائیں استعمال کر کے اپنی دولت اور زندگی برباد کر رہے ہیں۔ ان کی واقفیت کے لئے اس کے مختصر حالات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ **گولڈین** اس زمانہ کی ایک قابل فخر ایجاد ہے اور دنیا بھر میں طاقت کی لاثانی دوا ثابت ہوئی ہے۔

۲۔ اس کو زمانہ حال کے شہرۂ آفاق ڈاکٹروں سائنس دانوں اور طبی ماہرین نے قریباً سو سال کی چھان بین اور مسلسل تجربات کے بعد تیار کیا ہے۔

۳۔ **امریکن میڈیسن کمپنی** نے اس نسخہ کی تجویز اور تحقیق پر کثیر التعداد روپیہ پانی کی طرح خرچ کیا ہے اور مارکیٹ میں لانے سے پہلے مختلف قسم کے تین ہزار مریضوں پر تجربہ کیا ہے۔

۴۔ اس دوائی میں ڈامیانہ۔ نکس وامیکا۔ یوہمبن۔ ایکسٹریکٹ کوکا۔ فاسفورس۔ ولائتی جوہر فولاد۔ انگریزی کشتہ سونا۔ انگریزی سفوف مروارید۔ ولائتی جوہر کستوری جیسی اکسیر چیزوں کے علاوہ بعض نہایت ہی زبردست طاقت والے نباتاتی اجزا شامل ہیں جن کا اظہار اصول تجارت کے خلاف ہے۔

۵۔ اس کے استعمال سے تمام خفیہ مردانہ بیماریاں جڑ سے دور ہو جاتی ہیں۔ بے اعتدالیوں کی وجہ سے ضائع شدہ قوت حیرت انگیز تیزی کے ساتھ واپس آجاتی ہے۔ معدہ قوی جسم مضبوط۔ چہرہ خوشرنگ۔ دل مسرور اور دماغ روشن ہو کر طبیعت میں غضب کا جوش اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔

۶۔ اس کی شیشی کھولتے ہی کستوری کی روح پرور خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ اس کی پہلی خوراک ہی جسم میں نئی زندگی پیدا کر دیتی ہے۔ اور تین دن کے بعد حالت بالکل بدل جاتی ہے۔

۷۔ ایک شیشی کی قیمت صرف **چار روپیہ** (للعہ) ہے لیکن چونکہ گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی بہت تھوڑی شیشیاں آئی ہیں۔ اور جو لوگ گذشتہ سال سٹاک ختم ہو جانے کی وجہ سے محروم رہ گئے تھے۔ ان کے آرڈر بکثرت آ رہے ہیں۔ اس لئے جلد منگا لیجئے۔ ورنہ مال ختم ہو جانے پر ایک شیشی پچاس روپے (صہ) میں بھی نہ مل سکے گی۔

سول ایجنٹ جنرل منیجر سٹار فارمیسی ۲۰ چیمبرلین روڈ لاہور

نفیس و لذیذ منٹوں میں سیروں رومالی سیویاں تیار کرنیوالی
نو ایجاد مشین
نقشہ نو ایجاد مشین سیویاں
ایجنٹوں کو معقول کمیشن
خلاف تحریر ہو تو واپس
ہینڈل
پیتل کی خوبصورت مشین نے ملک میں
بہت مقبولیت حاصل کی ہے
قیمت مشین پیتل پالش شدہ مع چابی چھلنی ۲ عدد
(سوراخ ۱ و ۲) مبلغ ... علاوہ محصولڈاک وغیرہ
ملنے کا پتہ
مینجر کارخانہ مشین سیویاں قادیان پنجاب
چابی

شریف ہندوستانی بیبیوں کیلئے

عِصمت

ہر لحاظ سے ہندوستان کا بہترین باتصویر ماہوار رسالہ ہے

نہ صرف اس لئے کہ نہایت پابندی سے وقت پر شائع ہوتا ہے اور ولایتی رسالوں کی طرح نہایت نفیس چکنے بڑھیا کاغذ پر اچھا چھپتا ہے اچھا لکھا جاتا ہے اور ٹائٹل پیج نہایت خوبصورت دلاویز ہوتا ہے خواتین کے مذاق کی بہترین تصاویر خود بنوائی جاتی ہیں اور دوسرے رسالوں کی طرح ادھر اُدھر سے مانگ کر نہیں شائع کی جاتیں بلکہ اسلئے کہ عصمت کے مضامین نہایت دلچسپ اور مفید ہوتے ہیں ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین اور قوم کے نامور اہل قلم عصمت کے مستقل مضمون نگار ہیں اور نہایت خوبی سے مرتب کیا جاتا ہے۔

عصمت

علامہ راشد الخیری مدظلہ کا

مشہور رسالہ ہے اور اٹھارہ سال سے نہایت کامیابی سے جاری ہے اور ملک میں اس قدر وقعت اور شہرت حاصل کر چکا ہے کہ بہت کم اردو رسائل کو نصیب ہوئی ہے عصمت کی موثر نظمیں نتیجہ خیز سبق آموز دلاویز فسانے خانہ داری معاشرت اخلاق تاریخ پر نہایت دلچسپ مفید اور کام کے مضامین اگر ایک دفعہ آپ ملاحظہ فرمائیں تو مشکل کہ آپکو عصمت کی مستقل خریداری پر مجبور نہ کریں۔

سالانہ چندہ پیشگی مع محصول ڈاک للعہ فی پرچہ ۷ر

منیجر عصمت دہلی

نسیم

عورتوں اور مردوں کا مشترک مصور رسالہ

ترکہ پدری سے محروم لڑکیوں کی فریاد۔ بدبخت ومظلوم بیویوں کا نالہ۔ غریب واجب الرحم بیواؤں کی داستان ادب۔ تاریخ۔ مذہب پر نامور اہل قلم کے بہترین مضامین اور موثر نظمیں

نسیم کا مقصد خاص

ان معصوم ومظلوم لڑکیوں کے حقوق کا مطالبہ ہے جو شرع اسلام کے خلاف ترکہ پدری سے محروم کردی گئیں

زیر سرپرستی علامہ راشد الخیری مدظلہ

۱۵ر جنوری ۲۸ء سے جاری ہوگا

تصویر کاغذ چھپائی اعلیٰ قیمت صرف سوا روپیہ

قسم خاص (بڑھیا کاغذ) سالانہ قیمت عہ/

کوشش ہے کہ پہلا پرچہ بیس ہزار شائع ہو

درخواستیں بنام منیجر **نسیم** کوچہ چیلان دہلی آنی چاہئیں

ہماری تجارت تھوڑے منافع اور زیادہ بکری پر منحصر ہے

انصاری ایجنسی مظفرنگر (یوپی)

عربی علم تفسیر

جلالین شریف
بیضاوی ر سورہ بقر
سبق الغایات ۱۴ر
فوزالکبیر ۸ر
بیان القرآن اردو
موضح القرآن ر

انشا و ادب عربی

التعلیقات ۱۴ر
بدیع الانشاء ۲ر
سبعہ معلقہ قاسمی ۵ر
ر مجتبائی ۱۲ر
مقامات حریری
کفایۃ التحفظ
دیوان متنبی زرد

عقائد وعلم کلام

خیالی حاشیہ شرح عقائد نسفی
شرح عقائد نسفی
کتاب المسامرہ ۱۲ر

فرائض

تسہیل الفرائض ۲ر
سراجی ۸ر
شریفیہ شرح سراجی ۱۴ر

صرف ونحو

ابواب الصرف ۸ر
جامع التعلیلات ۸ر
حنفیہ شرح مراح
دستور المبتدی ۳ر
صرف میر ۳ر
کتاب الصرف ۱۲ر
علم الصیغہ ۸ر
الفیہ ابن مالک ۱۴ر
تیسیر المبتدی ۲ر
شرح مائۃ عامل ۷ر
ر نظامی ۱۲ر
شرح ملا جامی
کافیہ ۹ر

ہدایۃ النحو ۸ر
نحو میر ۱۴ر

منطق

ایساغوجی ۳ر
بدیع المیزان ۵ر
سلم العلوم
حمد اللہ
شرح مرقات عربی
شرح تہذیب مع تحفہ شاہجہانی

حدیث و اصول حدیث

ابن ماجہ شریف
بخاری شریف
بلوغ المرام ۸ر
ترمذی شریف مجتبائی
صحیح مسلم شریف
موطا امام محمد
مشکوٰۃ شریف
نسائی شریف
نخبۃ الفکر ۱۰ر

فقہ واصول فقہ

درمختار کامل ہر دو جلد
رسائل الارکان
شرح وقایہ
قدوری مجتبائی
کبیری شرح منیہ
منیۃ المصلی ۱۲ر
نور الایضاح
اصول الشاشی ۱۲ر
کشف المبہم
نور الانوار

شاہ عبدالرحیم صاحب

ارشاد رحیمیہ ۳ر
انفاس رحیمیہ ۴ر

شاہ عبدالعزیز صاحب

احسن الحسنات ۱۰ر
مجموعہ فتاوی شاہ عبدالعزیز

شاہ محمد اسمٰعیل صاحب

تقویۃ الایمان
صراط مستقیم فارسی ۱۲ر
رسالہ اصول فقہ ۲ر

شاہ ولی اللہ صاحب

انفاس العارفین فارسی
انصاف مع اردو ترجمہ کشاف ۹ر
چہل حدیث ۲ر
شرح رباعیتین ۳ر
عقد الجید ۸ر
کلمات طیبات
القول الجمیل ۷ر
مجموعہ رسائل خمسہ ۶ر

مولانا خلیل احمد صاحب

اتمام النعم ۲ر
تنشیط الآذان ۲ر
المہند علی المفند ۶ر

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب

رد قادیانی و بریلوی کے مختلف رسائل

مولانا محمد قاسم صاحب

دلیل محکم ۲ر
اجوبہ کاملہ ۲ر
آب حیات
اسرار قرآنی ۱۰ر
انتصار الاسلام ۴ر
قبلہ نما ۶ر
تقریر دلپذیر
تحذیر الناس ۳ر

مولانا رشید احمد صاحب

امداد السلوک ۵ر
اوثق العریٰ
رد الطغیان ۸ر
زبدۃ المناسک ۵ر
سبیل الرشاد ۲ر
ہدایۃ المعتدی ۳ر

مولانا محمود حسن صاحب

ادلہ کاملہ ۲ر
جہد المقل

الابواب والتراجم ۱۲ر
مقدمہ ترجمہ قرآن ۶ر

مولانا اشرف علی صاحب

اصلاح الرسوم ۶ر
اعمال قرآنی ہر سہ حصہ ۵ر
آداب معاشرت ۳ر
الاقتصاد ۴ر
بہشتی زیور مکمل مع گوہر
نشر الطیب

مولانا اصغر حسین صاحب

الجواب المتین ۵ر
حیات خضر ۴ر
الصالحات ۶ر
فتاوی محمودی ۱۰ر
القول المتین ۲ر
گلزار سنت

مولانا سید انور شاہ صاحب

عقیدۃ الاسلام
فصل الخطاب ۱۲ر

مولانا شبیر احمد صاحب

اسلام ۶ر
العقل والنقل ۱۰ر
ہدیہ سنیہ ۳ر
الشہاب ۶ر

مولانا کفایت اللہ صاحب

تعلیمات اسلام مکمل اردو قاعدہ
حصص چہارم تک ۱۴ر

مولانا عاشق الٰہی صاحب

فیوض یزدانی
انوار سبحانی
تذکرۃ الرشید ہر دو حصہ
تبلیغ دین
الصلوٰۃ ۲ر

مرزا اسد اللہ خان غالب

دیوان غالب مختلف اقسام کے
ومع شروح ر سے تک
نکات غالب

مولانا حالی

حیات جاوید
یادگار غالب
حیات سعدی

مولانا شبلی مرحوم

سیرۃ النبی قسم اول
الفاروق
ایضاً
سوانح مولانا روم
ایضاً
سیرۃ النعمان
الغزالی
المامون
موازنہ انیس و دبیر
شعر العجم مکمل پانچ حصہ
مجموعہ کلام شبلی ۱۲ر

ڈاکٹر سر اقبال صاحب

اسرار خودی و رموز بیخودی یکجا
جا
پیام مشرق
شکوہ ۲ر
جواب شکوہ ۴ر
بانگ درا مع مجموعہ نظم اردو

خواجہ حسن نظامی صاحب

سفرنامہ ممالک اسلامیہ
آپ بیتی
بیوی کی تعلیم

علامہ راشد الخیری صاحب

انگوٹھی کا راز ۸ر
صبح زندگی
شام زندگی
شب زندگی
سراب مغرب ۸ر
نوحہ زندگی ۱۲ر
تائید غیبی
عروس کربلا
سنجوگ ۱۰ر

(اپنا پتا خوشخط تحریر کریں، محصولڈاک بذمہ خریدار (رعایتی اعلان) ایک روپیہ سے کم کتب کا وی۔پی ارسال نہیں کیا جائیگا۔

بجلی گائیڈ یعنی بجلی کا مستری

اگر آپ گھر بیٹھے ہی بجلی کا مستری بنکر ہزاروں روپے پیدا کر کے آنند اور سکھ سے زندگی کے دن گذارنا چاہتے ہو۔ تو آپ ہماری اس نادر و نایاب کتاب بجلی گائیڈ کو منگوا کر پڑھیں اور اسکے پڑھنے سے آپ بجلی پیدا کرنا۔ اور بجلی کو مکانوں میں فٹ کرنا مکان میں روشنی کرنا۔ انگیٹھی جلا کر سردی کے دن کاٹنا۔ چولھے جلانا اور باورچی خانہ کی ضروریات کو پورا کرنا گھر میں پنکھے لگا کر گرمی کے دن آرام سے کاٹنا۔ دیغرہ وغیرہ باتوں کا شکر اٹھانا۔ کیمیاوی سے بجلی تیار کرنا۔ اکیومیلیٹر چارج کرنے۔ اس سے بیٹری وغیرہ بھرنا۔ بجلی کی بتی جلانا اور انکے نقائص دور کرنے کے طریقے جات درج کرکے کتاب کو گویا دریا بکوزہ بند کر دیا ہے اس کتاب کے پڑھنے سے ہر ایک آدمی بجلی کا مستری بنکر بجلی کے کسی قسم کے نقائص دور کر سکتا ہے۔ اصل قیمت (عہ) رعایتی (عہ) ہندی (عہ) گورمکھی (عہ)

مسٹریز آف پیرس

(ایک دلچسپ اور مشہور فرانسیسی ناول کا ترجمہ) جسمیں شہر پیرس کے ادنیٰ طبقہ کی اندرونی حالت۔ اُنکے پست کندہ حالات۔ سوشل خرابیوں اور تمدنی برائیوں کی صحیح کیفیت اور اس قصہ کے ہر ایک فقرہ ادا کرنے والے اسرار درج ہیں کہ پڑھکر دل لرز جاتا ہے اور زمین سنا ٹا آجاتا ہے۔

نادل نہیں دلچسپ اداؤں کی ہے تصویر
رنگ اس میں کسی شوخ طبیعت کا بھرا ہے

باوجود ان صفات کے قیمت کچھ بھی نہیں صرف رعایتی (عہ)

جاسوسی کے ناول

نام	قیمت	رعایتی
دغاباز جاسوس	عـ	۱۲ر
شاہی جاسوس	عہ	۱۲ر
طلسمی جال	۱۲ر	۸ر
جاسوسی کہانیاں	۸ر	۶ر
خوفناک ڈاکو	۸ر	۶ر
خوفناک بھوت	۶ر	۴ر
بہادر سراغرساں	۱۲ر	۸ر
بے خوف رانی	۱۲ر	۸ر
چالاک مجرم ہر دو حصہ	عـ	۱۲ر
بنگالی دیوی	۸ر	۶ر
چاند کی چوری	۶ر	۴ر
قاتل کی غلطی	۶ر	۴ر
ہیرے کی انگوٹھی	۴ر	۳ر
خوبصورت بیوہ دن	۴ر	۳ر
خونی چور	۱۲ر	۸ر
خوفناک جاسوس	۱۲ر	۸ر
طلسمی رومال	۱۲ر	۸ر
جہنمی حور	۶ر	۳ر
بہادر رہزن	عہ	عہ
اندر جال	عہ	۱۲ر
گورو گھنٹال	عہ	۱۲ر
چندر ہار	عہ	۱۲ر
خوفناک ہوائی سیر	عہ	۱۲ر
جاسوسی جال	عہ	عـ
اسرار ایران	عہ	عہ
اطلس پلیغ جیمس والا آدمی	۱۲ر	۸ر

مسٹر رینلڈز کے مشہور و معروف ناول

نام	قیمت	رعایتی
خوفناک انتقام	۸ر	۴ر
دلدار معشوقہ	۶ر	۴ر
باوفا عاشق	۶ر	۴ر
خانہ بدوش لڑکا	۸ر	۴ر
نوجوان انجینئر	۸ر	۴ر
عاشق وطن	۸ر	۴ر
قمار باز	۸ر	۴ر
بت شکستہ	۱۲ر	۶ر
جانباز سپاہی	۸ر	۴ر
پر اسرار لیڈی	۸ر	۴ر
شہید محبت	۸ر	۴ر

کوڑیوں کے مول انمول موتی

بہ ہیئت نئی ایڈیشن نئی ایڈیشن

شہنشاہ تجارت

یعنی روپیہ کمانے کی کنجی

یہ فن تجارت کے متعلق ایک بے بہا اور نایاب کتاب ہے جسمیں تجارت کی کامیابی کے بڑے بڑے راز بتائے گئے ہیں اور تمام ہندوستان کے سوداگروں۔ آڑھتیوں، کمیشن ایجنٹوں۔ دلالوں وکارخانہ جات و انکے مالکان کے نام معہ مفصل پتہ درج ہیں۔ نیز یہ بھی نہایت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ تجارت کی ہر پیداوار اور دیگر اشیا کس شہر اور کس قصبہ میں ہوتی ہیں پہلی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئی ہے۔ اب اسکی دوسری ایڈیشن میں بہت سی نئی معلومات بڑھا دی گئی ہیں۔ اس کتاب کا ہر گھر میں موجود ہونا نہایت ضروری ہے تجارتی اصحاب کو فوراً آرڈر بھیجکر اس کتاب کو منگوا لینا چاہیئے۔ اسکے متعلق شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے نے حسب ذیل ریویو اپنے اخبار بندے ماترم میں کیا ہے۔ یہ فن تجارت کے متعلق ایک بہت مفید کتاب ہے۔ اسمیں تجارت کے بیش بہا راز و نکات۔ کفایت شعاری۔ منافع۔ طریق تجارت کے اصول وغیرہ بتائے گئے ہیں مختلف اقسام کی تجارتی معلومات و تجارتی ضروریات بھی درج کی گئی ہیں یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ کون کونسی اشیاء ہندوستان کے کن شہروں میں بہتیں پیدا یا فروخت ہوتی ہیں۔ ہندوستان کے ہر ایک بڑے شہر و قصبہ کی تجارت کا نقشہ بھی دیا گیا ہے۔ اصلی قیمت (للعہ) رعایتی (عہ)

کاریگری بنانیکی کتابیں

نام	قیمت	رعایتی
گروڈیہی پنجاب ہر سہ حصہ	عہ	عہ
لیتھو فوٹوگرافی	عہ	عہ
مکمل فوٹوگرافی	عہ	عـ
فن گھڑی سازی	عہ	عہ
رنگسازی مکمل	عہ	عہ
جلائے برتی	عہ	عہ
ہیئت گری	۱۲ر	۸ر
حلوائی	عـ	۱۲ر
رسوئیا یا بھوجن پرکاش	عـ	۱۲ر
باورچی یا اسلامی ہوٹل	عـ	۱۲ر
خانساماں یا مکمل لنگری بک	عہ	عہ
مجموعہ نوزائدات	۸ر	۶ر
ہر قسم کے معجون	۴ر	۶ر
علم کیمیا دیدک	۸ر	۸ر
عطر سازی اور گندھی	۱۲ر	۸ر
رسالہ ٹکٹ سازی	۴ر	۳ر
بیکری و کنفکشنری	عہ	عہ
رنگریز	۱۲ر	۸ر
صابون گری مکمل	۱۲ر	۸ر

ناول مولوی عبدالحلیم شرر

نام	قیمت	رعایتی
دلکش ہر سہ حصہ	ے	عـ
شہید وفا	عہ	عـ
ملک العزیز ورجنا	عہ	۸ر
حسن انجلینا	عہ	۸ر
فردوس بریں	عـ	۶ر
حسن بن صباح	۴ر	۳ر
منصور موہنا	عہ	۸ر
بدرالنساء اور مسکین	۶ر	۲ر
مصیبت	۶ر	[illegible]
فلورا فلورنڈا	عـ	عہ

زمینداروں۔ کاشتکاروں کسانوں کے لئے بیش بہا تحفہ یعنی آئینۂ کاشتکاری

یہ کتاب کسانوں وغیرہ کیلئے بڑی بینظیر کتاب ہے۔ اس میں کھیتی و زمین کے متعلق ہر ایک بات، واضح طور پر درج کر دی گئی ہے۔ اسمیں کھیتی میں بیج ڈالنے۔ ہر ایک چیز بونے مثلاً چنا۔ گیہوں۔ چاول۔ جو۔ مٹر۔ مونگی۔ ماش۔ گنا کے بونے اور گڑ۔ شکر بنانے و دیگر سبزیاں و ترکاریاں وغیرہ وغیرہ کی کاشت کا پورا پورا بیان درج ہے۔ اور اسمیں یہ بھی لکھا ہوا ہے۔ کہ کتنی زمین میں کتنا دانہ بویا جا سکتا ہے۔ اور کتنی زمین میں سے کتنا دانہ اور کتنی توڑی وغیرہ نکل سکتی ہے۔ باوجود ان تمام صفات کے اس کتاب کی قیمت صرف (عہ) رکھی ہے تاکہ ہر ایک آدمی منگوا کر فائدہ اٹھا سکے۔ رعایتی قیمت (عہ) ایک روپیہ۔

حکمت کے متعلق کتابیں

نام	قیمت	رعایتی
مخزن حکمت یا مفردات	عہ	عہ
الادویہ مکمل		
کامل حکیم یا دید	عہ	عـ
محب انسان	عہ	۲ر
کامل فقیر	عہ	عہ
گنجینۂ طبیب کامل	عـ	عہ
تحفۂ لقمان	عـ	۱۲ر
گنج پنہاں عرف کشتہ جات کشوری	عـ	عہ
حکیم حاذق	ے	۲ر
گنج حکمت	عہ	عہ
جراحی پرکاش ہر دو حصہ	عـ	عہ
دایان ہند کلاں ہر دو حصہ	عہ	عہ
مخزن اکسیر خفیہ ہر دو حصہ	عہ	عـ
طب متعلقہ عدالت	عـ	۱۲ر
حفظ صحت حیوانات	۱۲ر	۸ر
دار الشفا اردو نثر	۸ر	۶ر
علم الکیمیا ہر دو حصہ	عہ	۸ر
سدا جوانی	۹ر	۶ر
علاج بے دوا	۸ر	۶ر
قرابادین دیدک	۸ر	۶ر
رسالہ کشتہ جات	۸ر	۴ر
لغات طبی کا ہنی	عہ	عـ
آئینۂ امراض	۶ر	۴ر
حبیب الحیوانات	عہ	عـ
مکمل علاج انسان باتصویر	عہ	عـ
رسالہ سل و دق	۶ر	۴ر
ڈاکٹر بنو ہر دو حصہ	عہ	۱۲ر
علاج بذریعہ پانی	۴ر	۳ر
علاج اطفال	۴ر	۳ر
علاج بواسیر	۴	۳
علاج المستورات	۴ر	۳ر
علاج مارگزیدہ	۴	۳
علاج چشم	۶ر	۴
تریاق اعظم	۶ر	۴
آئینۂ تشخیص امراض	۴ر	۳
رسالہ خضاب زینت شباب	۴ر	۳
کلید امتحانات طبی	عـ	۱۲ر
دندانساز	۶ر	۴ر
رسالہ مقوی باہ	۱۲ر	۸ر

جادوگر بننے کے آسان نسخے

نام	قیمت	رعایتی
بنارس کا کامل جوتشی	ے	عـ
از لیقہ کا جادو	عہ	عہ
چین و برہما کا جادو	عہ	عہ
مردہ روحوں سے ملاقات	عہ	۱۲ر
کشمیر کا جادو	۱۲ر	۸ر
مخزن مسمریزم	عـ	۱۲ر
بنگال کا جادو	۱۰ر	۸ر
تسخیر ہمزاد	۱۲ر	۸ر
فارس کا جادو	۱۲ر	۸ر
ہپناٹزم	۱۲ر	۸ر
چلتا جادو	۱۰ر	۸ر
جوہر آدم	۱۲ر	۴ر
مقفل راز حب	۴ر	۳ر
مصر کا جادو	عـ	عہ
کمیل مداریان	عہ	۱۰ر
طلسمات سکندری	عہ	۱۰ر
مکمل تاگنبازی ہر دو حصہ	عہ	۱۲ر
رسالہ علم غیب	۱۲ر	۸ر
زندہ کرامات مکمل	عـ	۱۲ر
بھانمتی کا پٹارہ	عہ	۱۲ر

ملنے کا پتا۔ منیجر ایم ڈی تجارتی کتبخانہ شاہ عالمی دروازہ۔ لاہور

(اپنا پتا خوشخط تحریر کریں) (ہر ایک لائبریری میں ان کتابوں کا موجود ہونا ضروری ہے) (اطلاع عام۔ کتابوں کا پارسل طلب کرکے واپس کرنا اخلاقاً و قانوناً جرم ہے)

ایک روپیہ کی کتابیں تین آنہ میں

رعایتی اعلان یہ کتابیں جو ہر ایک پہلو سے نہایت سبق آموز، عمدہ اور ملک کے ہر حصہ میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ صرف تھوڑے عرصہ کے لئے رعایتی قیمت پر دی جائیں گی۔ اتنی عظیم الشان رعایت آج تک کسی کتب خانہ کی طرف سے نہیں ہوئی۔ کتب فروشوں کو اکٹھا سٹاک منگوا کر رکھ لینا چاہیئے۔ ایک روپیہ سے کم کتب کا آرڈر ارسال نہیں کیا جائے گا۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

نام کتاب

مسٹریز آف انڈیا، ہر دو حصہ، مسٹریز آف افریقہ، مسٹریز آف کشمیر، مسٹریز آف کوہ قاف، مسٹریز آف پنجاب، مسٹریز آف ساگر، مسٹریز آف انگلینڈ، مسٹریز آف کابل، مسٹریز آف برلن، مسٹریز آف دہلی، مسٹریز آف پولیس، مسٹریز آف جہازات، مسٹریز آف شالامار باغ، اسرار لندن، مسٹریز آف دنیا، مسٹریز آف سمرقند، مسٹریز آف ٹھانگی، مسٹریز آف جاپان

عجیب و غریب ناول

بیزار خاوند، ایک انوکھی عورت، گستاخ عورت، وہ عورت جسنے کرکے دکھایا، ایک عورت چار خاوند، بے صبر عورت، خوبصورت مالن، وفادار عورت، چالاک عورت، تعلیم نسواں، فریبی عورت، شیر دل راجکماری

نام کتاب

کشور یا بھر خون، زبردستی کی شادی، بہن کا سہرا، بھائی نے اڑایا، انتخاب دلہن، مایوس دلہن، شوہر کی بیٹی، کرنیل کی بیٹی، عالمگیر کی پیاری بیٹی، زیب النساء، خونی عاشق، بامراد عاشق، کامیاب عاشق، نتیجہ عشق، آئینہ عشق، گلزار عشق، انجام عشق، شعلہ عشق، قتل عشاق، عاشق صادق، ناکام محبت، انجام الفت، وصل ممتاز، حسرت وصل، راز دل، عورت کا قاتل، بدقسمت معشوقہ، انجام محبت، خونی آرزو، کشتہ محبت، جمیل کی معشوقہ، رشک قمر، شہید ادا، کامل عیار

نام کتاب

خوبصورت ڈاکو، انارکلی کلاں، راز محبت، اسرار جنون، انمول ہیرا، یوسف زلیخا ناول، نظارہ عبرت، جوانا مرگ، میرے خاوند کا راز، جمیل و شکیلہ، سوہنی مہینوال، بطرز ناول، ہیر رانجھا بطرز ناول، پریتم تارا، رنج و ملال، بارہ مصالحے کی چاٹ، حسن کشمیر، شہنشاہ جہانگیر، انتقام ہر دو حصہ، روح بیلے، تقدیر کا چکر، دھوکہ یا کمالات، انگلستان، عمر یا شا مکمل، جنت الفردوس، شاد کام، جادوگر، اسرار حرم، سپاہی کی دلہن، آہ مظلوم، گردش تقدیر، خون مظلوم، کنیز فاطمہ

نام کتاب

کامنی، شمسہ ہر دو حصہ، لال کپتان، نیم حکیم خطرہ جان، جانگداز، جفائے پدر، بنگالے کا چاند، نقلی بابو، بنگالی جنٹلمین، دو جورو کا شوہر، منو ہرلتا، خودکشی، صبح زندگی، رسم و رواج، چالاک مرد، رشک حور، فریب محبت، نل دمینتی، موت پر فتح، جوہر زندگانی، قتل انگزینڈر، ممتاز ناول، انجنا کماری، آفت نصیب، جان اسیر، نیرنگ دنیا، من موہنی، انڈر گراؤنڈ، مذہبی قربانی، مرقع اقوام عالم، عیار ملازمہ، شرح حروف، شادی غم، چالاکیوں کا سرتاج

نام کتاب

جنٹلمین بنائے کیوں، میری مٹی شباب کی، شکوک پولیس، پھر تو آج سے، میری زوجہ نہیں، آغاز عالم، گلدستہ پارسائی، ہفت عجائبات عالم، ناول دلسوز، ناول دلنواز، گدڑی میں لعل، واقعات عجیبہ یورپ، عیار قلندر، بائیسکل کا شوقین، گنجینہ سخن، مرنیکے بعد کیا ہوگا، ملک عدم کی خبریں، فاتح بنگال، مجموعہ کشمیر، ناول مریم، ناول بیلا دتی، ہم خرما و ہم ثواب، گورو گوبند سنگھ جی، گورو نانک دیو، جی مہاراج، گورو تیغ بہادر، مہاراجہ رنجیت سنگھ، ہری سنگھ نلوہ، مہارانا پرتاپ سنگھ، مہاراجہ پرتھوی راج، سری کرشن جی، مہاراجہ سری رام، چندر جی، مہاتما بدھ

نام کتاب

راجہ ہری چند، بکرما جیت اعظم، مہاراجہ بھوج، رانا سانگا، سوامی دیانند سرسوتی، راجہ بیربل، حیات ٹوڈرمل، ملا دو پیازہ، حالات تان سین، تانتیا بھیل، جلال الدین محمد اکبر، شہنشاہ ہند، سکندر اعظم، شیخ ابو الفضل، حضرت ابوبکر صدیق رضہ، حضرت عثمان رضہ، دوست محمد خان، قطب الدین بختیار کاکی رحہ، حیات حیدر، حیات ٹیپو سلطان، شہنشاہ بابر، حیات اورنگ زیب، قزاق کی بیٹی، خواتین اسلام، نواب زیب النساء بیگم، نورجہاں جہانگیر، مہاتما گاندھی درشن، شکنتلا ناٹک، بھول بھلیاں، گلزار زرینہ، خون دلربا، مردِ حقیقی، حقیقت رگ دید

نام کتاب

داہر الفتنہ ناٹک، گستاخ جنازہ، خوبصورت بلاء، راجہ بھرتری، اسیر حرص، ستارہ گردش، گنگ تارا، محبت کے پھول، جنتر درپن، گلزار لطف، پتی برتا استری کے لال، دولتمندی کے راز، معلومات بیرا کی، کریم اللغات، دولتمندی کا خزانہ، ہنسانے کی کل، مرزا اصلح، مریض الفت، ناول قدرت، خدائی توپ، رئیس ٹھگ، دہلی کا مظلوم بادشاہ، گلشن بہار، رنگین سخن، سفید ڈاکو، عبداللہ و مہرالنساء، احمد خان کابلی، حکیم صاحب، ناول فریاد، آسمان کی سیر، آسمان کے عجائبات، عقل کی مشین، اردو سیاسی سبق، پنڈیا مکمل

ملنے کا پتا — کے۔ آر۔ مہرہ برادرس۔ بکڈپو۔ نمبر ۲ شاہ عالمی گیٹ لاہور

تحفہ سرما

ایکی دفعہ بہت معقول انتظام کیا گیا ہے

ماء اللحم سلطانی عنبری طیوری

صاحبان عظام! اس سال بہت کوشش کے ساتھ تمام نادر اور کمیاب اجزا کافی سے زیادہ مقدار میں فراہم کر کے نہایت زود اثر ماء اللحم کی تیاری کا بندوبست کیا گیا ہے چنانچہ عام شائقین کو اطلاع دیجاتی ہے کہ ماء اللحم بہ نسخہ خاص سہ آتشہ کافی مقدار میں تیار ہے لہذا جس قدر چاہیں منگوالیں اور استعمال کر کے لطف زندگی اُٹھائیں جو اصحاب دواخانہ ہذا کی دیانتداری و صداقت سے واقف ہیں اُن سے کسی تعارف کی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کو اسکا ابتک تجربہ نہیں ہے اُن سے صرف اسقدر عرض کرنا ہے کہ ماء اللحم موسم سرما کا خاص تحفہ ہے یہ تو امر مسلم ہے کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہے جسم میں قوت و توانائی پیدا کر کے چستی و پھرتی پیدا کرتا۔ غذا کو جزو بدن بناتا بھوک لگاتا، رنگ نکھارتا رُوح کو تازگی اور دل کو فرحت بخشتا ہے پژمردہ دلوں میں شگفتگی، طبیعت میں ولولہ اور فطرتی امنگ پیدا کرتا ہے، ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ ان اوصاف سے متصف ہے کیونکہ اس کا کوئی معمولی نسخہ نہیں ہے پُوری خوبیاں تو تجربہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں اس کے مفصل افعال و خواص ملاحظہ فرمانے ہوں تو قدیمی دواخانہ ہذا کی مکمل فہرست معہ جنتری سنہ ۲۶ و ۲۷ اطلاع آنے پر بالکل مفت ارسال کیجاتی ہے جسمیں سات سو سے زیادہ نمبر بہدف مجربات درج ہیں ملاحظہ فرمائیں بغرض عام فائدہ رسانی باوجود اس قدر خوبیوں کے **قیمت** معمولی سہ آتشہ صرف پانچروپیہ رکھی ہے دو آتشہ تین روپے ایک آتشہ دو روپے۔ مرکب نسخہ جات بھی اجرت پر تیار کئے جاتے ہیں حکیم اور دوکاندار صاحبان کے لئے خاص رعایت ہے۔

لبوب کبیر قسم اوّل

موسم سرما میں زود اثر مقوی دواؤں کا سرتاج قیمتی و اصلی ادویات سے تیار شدہ دواخانہ ہذا کا مایۂ ناز مقوی اعصاب ہے بدن کو فربہ کرتا ہے اور خون صالح پیدا کر کے اعضائے رئیسہ کو قوت دیتا ہے دل و دماغ میں فرحت پیدا ہوتی ہے خوراک ۶ ماشہ ماء اللحم مذکور قیمت ۲۰ خوراک .. .. عہ/

المشتہر نرائن داس منیجر مشہور مستند و قدیمی دواخانہ یونانی دہلی مچھی ہٹہ لاہور پنجاب

ہندوستان کس لئے مشہور ہے؟

ہندوستان کی قدیمی تحقیقات دنیا میں افضل اور یکتا ہے اور اسی تحقیقات کے ذریعہ سے تمام ممالک تر
ہیں ہندوستان کی طبی تحقیقات اور جڑی بوٹیوں کی تلاش بھی اعلیٰ و افضل انہیں محقق اور لاثانی جڑی
کے لُب لباب کے مرکب سے آتنک نگرہ گولیاں تیار ہوئی ہیں یہ گولیاں اپنی تاثیر میں لاثانی ہونیکی
سے دُنیا کے کونے میں مشہور۔ قبض۔ بدہضمی۔ خون کی کمی۔ رقت وغیرہ کی شکایت دُور ہوکر اعلیٰ
طاقت و توانائی اور قوت مردمی حاصل ہوتی ہے؛ دماغ کو قوت حافظہ تمام اعضاء کو نہایت درجہ
پہنچتا ہے۔ قیمت فی ڈبیہ صرف ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔ قیمت پانچ ڈ
چار روپیہ (للعہ/)

ملنے کا پتہ:۔ **ویدشاستری منی شنکر گووندجی جامنگر کاٹھیاواڑ** (ایجنٹ بھگت پوری سوتر منڈی)

انگریزی تیلوں سے بچو!

رشید آملہ ہیر آئیل استعمال کرو۔

یہ تیل لاہور کے قدیمی کارخانہ تیل و عطر یعنی شیخوں کی دکان رجسٹرڈ کا تیار کردہ ہے۔ سرو دماغ کے لئے بے نظیر روغن
میں ایک بھاری تعداد آملہ اور دیگر ادویات یونانی ملاکر اپنے حکما کے نسخوں کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ قیمتی
خوشبویات کی آمیزش سے نہایت دلربا اور دلآویز بنا دیتی ہے۔ آزمایش کے طور پر جس نے ایک دفعہ خریدا۔ ہمیشہ
کے لئے اس کا مداح اور خریدار بن گیا۔ ہر شہر کے بڑے بڑے سوداگروں سے مل سکتا ہے۔ ورنہ براہ راست
طلب کریں۔ دیانتدار ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ قیمت فی بوتل درجہ اول عہ/ نصف بوتل عہ درجہ دوم
فی بوتل للعہ/ نصف بوتل عہ/ ۔ خرچہ بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ:۔ **مینیجر شیخوں کی دکان رجسٹرڈ لوہاری منڈی لاہور**

طاقت کی مقبول عام مشہور دوا

رائے بہادر مولراج ایم اے کی تیس سالہ آزمودہ کم خرچ بالانشین دوا

دوجراج وٹی

اسکے استعمال سے ذیابیطس اور امراض مانع اولاد رفع ہوتی ہیں یہ دوائی اعلیٰ درجہ کی ٹانک ہے جگر۔ دل و دماغ اور معدہ آنکھ ناک اور کان کو تقویت دیتی ہے۔ بینائی کو بڑھاتی ہے اور خون صالح پیدا کرتی ہے کمزوری مثانہ کو دور کرتی ہے اور نہایت ہی پشٹی کارک ہے۔ طالب علم و دیگر دماغی کام کرنیوالے حافظہ بڑھانیکے لئے اس کا استعمال ضرور کریں۔

قیمت فی پیکٹ چالیس گولی دو روپے آٹھ آنے (علاوہ محصول ڈاک) یکمشت چار پیکٹوں کے خریداروں سے نو روپے

چنانچہ تازہ ترین شہادت دیکھئے

شریمان رائیصاحب لالہ سروپ پرشاد ایم اے وکیل و سپیشل مجسٹریٹ فسٹ کلاس اپنے گھر کے لئے اور اپنے متر پیاروں کیلئے ہم سے بہت سے پارسل منگوا رہے ہیں۔ اور ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۲۶ء کو چھبیسواں پیکٹ دوجراج وٹی کا طلب فرماتے ہیں۔ اور اپنی مختلف چٹھیوں میں حسب ذیل رائیں ان دوائیوں کی نسبت ظاہر کر چکے ہیں۔ (۱) دوجراج وٹی رائیصاحب کی عجیب مقوی دوا ہے اس سے مجھے بہت فائدہ ہو رہا ہے۔ دوم۔ بہت اچھا گلاب کی گھرت بہت مزیدار ہے اور مجھے موافق ہے۔ سوم آپکا رسائن اولیہ واقعی بڑا عمدہ ہے اور بھیجدیویں۔ چہارم میں بڑی خوشی سے لکھتا ہوں کہ میرے دوست رائے بہادر بابو گنیشور پرشاد سنگھ آنریری مجسٹریٹ کو آپ کے یوگراج گوگل اور وات دمن تیل سے بہت فائدہ ہو رہا ہے۔ دونو دوائیاں اور ان کو بھیجدیں۔ پنجم۔ میں آپکا نہایت مشکور ہوں کہ آپ ہمارے علاج نہایت توجہ سے کر رہے ہیں۔

علاوہ ازیں ہر ایک مرض کیلئے نہایت مجرب اور پرتاثیر ادویات موجود ہیں۔ رسالہ محافظ صحت معہ فہرست ادویات مفت منگوائیں

تشخیص امراض کیلئے مہیش اوشدھالیہ میں لائق اور مشہور معالج مقرر ہیں

فارم تشخیص مرض منگوا کر خانہ پوری کر بھیجیں بعد غور ادویات بذریعہ وی۔ پی پارسل بھیجی جائینگی۔

المشتہر منیجر ایچ۔ ایم۔ ڈیپارٹمنٹ مہیش اوشدھالیہ از رائے بہادر مولراج ایم اے پوسٹ بکس نمبر ۱۲۸

بازار پاپڑ منڈی اندرون شاہ عالمی ولوہاری دروازہ لاہور

اسلامی البم

مجاہدین و مشاہیر اسلام کی تصاویر

دنیائے اسلام کے شاندار اور دلفریب مناظر

اگر آپ ان بہادران اسلام کو دیکھنا چاہتے ہیں جنہوں نے اپنی قوت بازو سے دنیائے کفر کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔ تو سلطان صلاح الدین ؒ شہنشاہ اورنگزیب اور غازی انور پاشا کی تصاویر ملاحظہ فرمائیں اور اگر آپ غازیوں سے متعارف ہونا چاہتے ہیں جو اپنی مٹھی بھر فوج سے دنیا کی تہا ترین سلطنتوں کا ناطقہ بند کئے بیٹھے ہیں تو مجاہدین شام کی تصاویر دیکھئے یہی وہ لوگ ہیں جن کے دوش بدوش ملائکہ کی فوجیں جنگ کرتی ہیں۔ اگر آپ اس شخص کو دیکھنا چاہتے ہیں جسے دوست دشمن موجودہ زمانے کی شجاع ترین ہستی سمجھتے ہیں تو سلطان الاطرش کی تصویر دیکھئے اگر آپ اس جانباز کو دیکھنا چاہتے ہیں جس نے دنیائے فرنگ کے متحدہ حملہ کو جو دین اسلام کے نام کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اپنے سینے پر روکا تو مصطفےٰ کمال کی تصویر دیکھئے۔ اگر آپ ان اولوالعزم ہستیوں کے دیکھنے کے خواہاں ہیں جنہوں نے اپنے ملک کو تاریک ترین گہرائیوں سے نکال کر بلند مقامات پر کھڑا کر دیا۔ تو غازی ادیب خانم۔ رضا خاں پہلوی جدید شاہ ایران امیر امان اللہ خاں سعد زاغلول پاشا اور سر سید احمد خاں کی تصاویر دیکھئے۔ اگر آپ اس شخص کو دیکھنا چاہتے ہیں جس کی شکست بھی فتح سے کم نہیں۔ تو غازی عبدالکریم مجاہد ریف کی تصویر دیکھئے۔ اگر آپ ان بے نظیر ہستیوں کے دیکھنے کے مشتاق ہوں جو اپنے کمال فن کی وجہ سے اپنی نظیر آپ ہیں تو خواجہ حافظ شیخ سعدی اور عمر خیام کی تصاویر ملاحظہ فرمائیے۔ اگر آپ اس شاعر کو دیکھنا چاہتے ہیں جس نے اپنی نوائے خاموش سے سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر دیا۔ تو علامہ اقبال کی تصویر دیکھئے۔ ان کے علاوہ حضور سرور کائنات کے ایک فرمان کا عکس جس پر حضور کی مہر بھی ثبت ہے اور دنیائے اسلام کے پرشکوہ اور دلفریب مناظر اور مقدس مقامات دیکھئے۔ جن میں مکہ مکرمہ جو دنیا کے بتکدے میں خدا کا سب سے پہلا گھر ہے۔ اور مدینہ منورہ جس کی پاک سرزمین میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری خوابگاہ ہے۔ اور مسجد اقصےٰ جو دنیا کے تین عظیم الشان مذاہب کا مرکز ہے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دوسری قابل دید تصاویر میں مسجد عمر یروشلم مسجد ایا صوفیہ قسطنطنیہ جامع شاہجہان دہلی اور پیرس کی شاہی مسجد دو مقدس مقامات ہیں جنکے دیکھنے کی آرزو ہر مسلمان کے دل میں قدرتاً ہونی چاہیئے مسلمانوں کے فن تعمیر کے دو درخشاں نمونے یعنی تاج محل جس کے دیکھنے کے لئے دنیا کے ہر حصے سے لوگ گروہ کی طرف کھچے چلے آتے ہیں اور قصر الحمراء جو اندلس میں عربوں کی گذری ہوئی تہذیب کی عبرت آموز یادگار ہے آپ اس مرقع میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

دمشق کی درویشگاہ اور قسطنطنیہ میں غلطہ کا پل جس پر صبح سے شام تک گذرنے والوں کی چہل پہل رہتی ہے اسلامی البم کے دلفریب مناظر ہیں کل اٹھائیس تصاویر ہاف ٹون بلاک کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کے آرٹ پیپر پر چھاپی گئی ہیں۔ اس مرقع کی قبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پہلا ایڈیشن صرف چھ مہینے میں فروخت ہو گیا۔ موجودہ ایڈیشن میں چار تصویروں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ) رکھی گئی ہے۔ ملک کے تمام معزز اخبارات اور رسائل نے اس پر نہایت اچھے ریویو لکھے ہیں۔ چنانچہ رسالہ "ہمایوں" کی رائے کا اقتباس حسب ذیل ہے۔ "اسلامی تصاویر کا ایک نفیس البم ہے اپنی وضع کی بالکل نئی چیز ہے اور ہمارے خیال میں مسلمانوں کو اس سے ضرور دلچسپی ہوگی۔"

ملنے کا پتہ:- اسلامک لٹریچر کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱ لاہور

قابل دید کتابیں

پردۂ غفلت اُردو میں پہلا اخلاقی ڈراما از ڈاکٹر سید عابد حسین ایم - اے - پی - ایچ - ڈی (برلن) ایڈیٹر "رسالہ جامعہ" مسلمان خاندانوں کا ہو بہو خاکہ، تعلیم و آزادی نسواں اور پردہ پر مفید و محققانہ بحث - فن ڈراما نویسی کا اعلیٰ نمونہ نہایت دلچسپ اور دلکش ظریفانہ کیریکٹر کے ساتھ نتیجہ خیز ایک ہندوستانی زمیندار کے گھرانے کا قصہ، مقتدر رسائل و جرائد مثلاً اردو - سہیل - جامعہ - ہزار داستان، ہمایوں، اولڈ بوائے، ہمدرد - بمبئی کرانیکل، لیڈر، مسلم، اوٹ لک ہندوستان ریویو نے زبردست ریویو کیا ہے، اور شاندار خیر مقدم کیا ہے - جرمنی کے مشہور و معروف مطبع شرکت کاویانی (برلن) میں بکمال آب و تاب طبع ہوا ہے کاغذ نہایت نفیس و اعلیٰ ٹائیٹل دیدہ زیب و پائدار صفحات ۱۴۶ اور قیمت صرف (عہ) ایک روپیہ آٹھ آنے -

محشر خیال سجاد علی انصاری مرحوم بی اے (علیگ) ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی کے ان دلکش و پرکیف مضامین کا دلفریب مرقع جنہوں نے دنیا ادب اُردو میں خاص مقبولیت حاصل کی تھی، اور ارباب ذوق ادب ان کے لئے سخت مشتاق تھے، اور کہیں میسر نہ آتے تھے شکر ہے خواجہ منظور حسین صاحب ایم - اے (آنرز) اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے اور اب یہ نادر تحفہ بالکل تیار ہے، نہایت اعلیٰ پیمانہ پر بکمال آب و تاب طبع ہوا ہے، شروع میں مرحوم کا آخری فوٹو بھی ہے اور جلد نہایت مضبوط اور خوبصورت رکھی گئی ہے جس پر سنہری حروف میں کتاب وغیرہ کا نام تحریر ہے اور قیمت دو روپے آٹھ آنے عہ -

بشر ملی سید سلیمان ندوی کا معرکۃ الآرا رسالہ تحریت الہی و اسلام پر دلکش بحث مستشرقین یورپ کے اعتراضات اسلام پر مدلل بحث و دندان شکن جواب قیمت چھ آنے ۱۱۰ مجلد

ذکریٰ حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کا سیرۃ نبوی صلعم پر بصیرت افروز و دلکش مقالہ مسلمانوں کی عام غفلت شعاری و جمود پر دلہلا دینے والا مرثیہ قابل دید قیمت آٹھ آنے (۸) مجلد

چمن میر مصحفی، غالب، امیر، درد، جدید برج، حالی حضرت اکبر علامہ شبلی اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا عطر نہایت دلکش اور دلفریب گلدستہ خوبصورت چھوٹی تقطیع چھ رنگوں میں دیدہ زیب ٹائیٹل ورموز دل جلد ۱۴۰ صفحات اور قیمت صرف پانچ آنے اور چار جلد ایک روپیہ میں بڑے بڑے معزز اہل کرائے اور صاحب قلم نے اس گلدستہ کو کافی سراہا ہے

خوارزم شاہ نامور ترکی ادیب واثق کمال بے کے مشہور تاریخی و انقلابی ڈراما کا مربوط سلیس دلکش ترجمہ جو سلاست اُردو میں قابل قدر چیز مانا گیا ہے از سید سجاد حیدر یلدرم قیمت عہ علاوہ محصول

خیالستان سید سجاد حیدر یلدرم صاحب کے مختلف دلکش ترین مضامین کا ادب آموز مجموعہ جس کے متعلق ارباب علم کا بہ متفقہ فتویٰ ہے، کہ اُردو زبان کی ادبیات لطیفہ میں خیالستان سے بہتر کتاب نہیں، قیمت عہ

(نوٹ) چونکہ بعض وجوہ سے ہم علیگڈھ سے منتقل ہو گئے ہیں اسلئے ہمارا موجودہ پتہ اب سے یہ ہوا کرے گا ؛

آپ اپنی فرمائش میں ہمایوں کا حوالہ ضرور دیجئے	**شرکت ادبیہ قرول باغ - دہلی**	آپ اپنی فرمائش میں ہمایوں کا حوالہ ضرور دیجئے

تاریخی۔ مذہبی۔ تبلیغی۔ اصلاحی۔ ماہوار۔ رسالہ

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

اس پُر آشوب زمانہ میں مسلمانان ہند کیلئے جسقدر تبلیغی اور اصلاحی اشاعتوں کی ضرورت ہے اُس سے کوئی شخص بے خبر نہیں۔ اس قسم کی اہم ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے باوجود بے بضاعتی کے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے ہم نے ایک تاریخی۔ مذہبی نیز تبلیغی اور اقتصادی رسالہ شائع کرنے کا ارادہ کرلیا ہے جو ماہ [illegible] سے زیرادارت مولوی رشید احمد صاحب مدنی شائع ہوگا۔ اُمید کامل ہے اہل ہمت حضرات دینی اور قومی فریضہ سمجھکر اس کی امداد اور ہماری حوصلہ افزائی میں نمایاں حصہ لینگے ہماری غرض محض قابل اقتداء اسلاف کے طریقونکی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنا اور انکے قدم بقدم چلنے کی ترغیب دینا نیز فلاح اور بہبودی کے راستے اور اقتصادی مفاد کو قوم پر ظاہر کردینا ہے طلبائے علوم عربیہ اس کیطرف خاص توجہ فرمائیں۔ اسلئے کہ حتی المقدور اسمیں عربی ادبیت اور تراجم کا ایک خاص حصہ بھی ہوا کریگا۔ پرچے کا سائز ۲۶×۲۰/۸ تعداد صفحات کم از کم ۳۲ ہونگے۔ قیمت سالانہ عہ/ ششماہی عہ/۔ قیمت فی پرچہ ۲/ رہوگی۔

نوٹ، خریداروں کی تعداد کم از کم پانچسو ۵۰۰ ہو جانے کے بعد پہلا پرچہ شائع ہوگا۔

المشتہر

(مولوی) سید ناصر حسن مالک انصار ایجنسی و رسالہ الجمیل مظفر نگر (یو پی)

۱۔ ہمایوں بالعموم ہر مہینے کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے۔

۲۔ علمی ادبی تمدنی اخلاقی مضامین بشرطیکہ وہ معیارِ ادب پر پورے اُتریں درج کئے جاتے ہیں۔

۳۔ دل آزار تنقیدیں اور دل شکن مذہبی مضامین درج نہیں ہوتے۔

۴۔ ناپسندیدہ مضمون ۱؍ کا ٹکٹ آنے پر واپس بھیجا جاسکتا ہے۔

۵۔ خلافِ تہذیب اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے۔

۶۔ ہمایوں کی ضخامت کم از کم بہتّر صفحے ماہوار اور ۸۶۴ صفحے سالانہ ہوتی ہے۔

۷۔ رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع دفتر میں ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ کے بعد اور ۱۷ سے پہلے پہنچ جانی چاہیئے۔ اسکے بعد شکایت لکھنے والوں کو رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

۸۔ جواب طلب امور کے لئے ۱؍ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے۔

۹۔ قیمت سالانہ پانچ روپے۔ ششماہی تین روپے (علاوہ محصولڈاک) فی پرچہ ۸؍ نمونہ ۶؍۔

۱۰۔ منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ تحریر کیجئے۔

۱۱۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر جو لفافہ پر پتے کے اوپر درج ہوتا ہے ضرور لکھیے۔

مینجر رسالہ ہمایوں
۳۰۔ مزنگ روڈ۔ لاہور

منشی علم دین مینجر رسالہ ہمایوں نے گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام بابو نظام دین پرنٹر چھپوا کر شائع کیا